جلد ۷۷ مارچ ۱۹۷۲ء عدد ۱

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مرتبہ

ابوالاعلیٰ مودودی

ادارہ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

ضروری اعلان

- ادارہ "ترجمان القرآن" صرف اُن ایجنٹ حضرات کے پتے اپنی فہرست میں شامل کرتا ہے جو ادارہ سے براہِ راست تفہیم القرآن منگوا رہے ہیں۔
- ادارہ ایسے ایجنٹ حضرات کے پتے فہرست میں دینے سے قاصر ہے جو اِدارہ سے براہِ راست جلدیں نہیں منگواتے۔
- اِدارہ سے آپ کو پانچوں جلدیں تاجرانہ کمیشن پر دستیاب ہو سکتی ہیں۔
- آپ جلد ہی اپنا آرڈر بک کروالیں تاکہ آئندہ فہرست میں آپ کا پتہ بھی درج کر دیا جائے۔

مینجر ادارۂ "ترجمان القرآن" اچھرہ، لاہور

ترجمان القرآن، لاہور

فہرست مضامین

عدد ۱	مارچ ۱۹۷۲ء مطابق محرم ۱۳۹۲ھ	جلد ۷۷

اشارات	عبدالحمید صدیقی	۲
تفہیم القرآن:		
التین	ابوالاعلیٰ مودودی	۹
الم نشرح	" "	۱۵
مقالات:		
اسلام میں حلال وحرام کا تصور (۲)	یوسف القرضاوی - ترجمہ: عبدالحمید صدیقی	۲۴
عرب وفاق کا دستور اور اس کے مضمرات	جناب خلیل احمد حامدی صاحب	۳۶
مطبوعات	عبدالحمید صدیقی	۴۷

ماہنامہ ترجمان القرآن

۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

چندہ سالانہ آٹھ روپے - فی پرچہ : ۸۰ پیسے

ابوالخیر مودودی پرنٹر پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

یُوں تو اللہ تعالیٰ دُنیا کے ہر فرد اور قوم کو بنی نوعِ انسان کے لیے سامانِ عبرت بننے سے بچائے مگر خاص طور پر مسلمانوں اور اُمتِ مُسلمہ کو اس ذلّت اور رُسوائی سے محفوظ رکھّے کیونکہ دنیا میں اس سے بُرا کوئی عذاب نہیں ہوسکتا کہ دنیا کی سرکش اور باغی اقوام کو اُن کے انجامِ بد سے ڈرانے کے لیے مُسلم قوم کی المناک بربادی کا نقشہ ان کے سامنے پیش کیا جائے۔ کسی قوم کی اس سے زیادہ تذلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے "اُمت وسط" بنا کر دنیا میں بھیجے تاکہ وہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہِ ہدایت دکھائے مگر یہ "امتِ وسط" خود حق اور سلامتی کے راستے سے ہٹ کر بربادی کے مہیب غاروں میں جا گرے اور انسانیت کے قافلے اس کی تباہی کے رُوح فرسا مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ امتِ مُسلمہ اگر خدا کے پیغام کی علمبردار بن کر اس کے دنیوی اور اُخروی انعامات کی مستحق بن سکتی ہے تو وہ اپنے فرائض سے غافل ہو کر خالقِ کائنات کے غضب کو دعوت دینے کا موجب بھی بن سکتی ہے۔ باری تعالیٰ کی یہ سُنّت ہے کہ دنیا کا جو گروہ بھی حق کے راستے سے انحراف کر کے کسی دوسری راہ کو اختیار کرتا ہے قدرت اُسے مختلف قسم کی ناکامیوں اور بربادیوں سے دوچار کرتی ہے لیکن جب خدا کی بندگی کا دعویٰ کرنے والی قوم بندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے بجائے خالق کی بغاوت پر آمادہ ہو جاتی ہے تو کائنات کا مالک اُسے دنیا میں ایسے شدائد اور مصائب میں مبتلا کرتا ہے کہ اہلِ دنیا اُس کی حالتِ زار کو دیکھتے ہوئے اُس سے عبرت پکڑتے ہیں۔ یہ حالت محض تباہی بربادی کی آخری حالت نہیں ہوتی بلکہ بے بسی اور بے چارگی اور ذلّت و رسوائی کا بھی پست ترین مقام ہوتا ہے اور اس قوم کی کیفیت دنیا والوں کی نظر میں اُس بدترین مجرم کی سی ہوتی ہے جسے پہلے تو ذلّت کے ساتھ قتل کیا جائے، پھر اُس کی لاش کی بے حُرمتی کی جائے اور آخر میں اُسے درخت پر لٹکا دیا جائے تاکہ دوسرے لوگ اس جُرم کے ارتکاب سے

باز رہیں۔

ہم خدا کے حضور میں دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں پستی اور بربادی کے اس مقام پر نہ لائے جس پر پہنچ کر ہم دُنیا کے لیے سامانِ عبرت بنیں۔ اس حقیقت سے البتہ انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہم نے گذشتہ پچیس برسوں میں بحیثیتِ قوم اپنی طرف سے خدا کے غضب کو دعوت دینے میں قطعاً کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی یہ محض اس ذات کی صفتِ تحمل کا نتیجہ تھا کہ ہماری مسلسل سرکشی اور بغاوت کے باوجود اُس نے ہم پر عذاب مُسلّط نہ کیا بلکہ ہمیں بار بار سنبھلنے کی مہلت دی مگر ہم سنبھلنے کے بجائے دانستہ طور پر اپنی باغیانہ روش پر قائم رہے اور ہر وہ کام کیا جو اُسے ناپسند تھا اور ہر اُس کام کے کرنے سے اجتناب کیا جس سے اُسے راضی کیا جا سکتا تھا۔ ربّ العزّت نے یُوں تو ہمیں ہر مرحلے پر ہماری بداعمالیوں کے نتائج سے آگاہ کیا اور بڑی واضح نشانیوں کے ذریعے ہمیں سمجھایا کہ ہم جس راہ پر گامزن ہیں وہ خدا کے باغیوں کی راہ ہے جس پر چلنے سے اس کا قہر نازل ہوتا ہے۔ ہمیں اُس ذاتِ برحق کے بے پایاں صبر و تحمل کی وجہ سے جو ابھی تک اس قہر سے بچایا جا رہا ہے تو اُس کی غایت یہ ہے کہ ہم کسی طرح راہِ راست پر آجائیں ورنہ خدا کے فرشتے ہمیں عذاب کی لپیٹ میں لینے کے لیے بالکل منتظر ہیں۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ پاکستان کے مسلمانوں کے لیے خدا کی طرف سے شاید آخری تنبیہ تھی جس کا مقصد ایک طرف انہیں اُن کی بداعمالیوں پر جھنجھوڑنا تھا اور دوسری طرف انہیں اس امر سے آگاہ کرنا تھا کہ اگر انہوں نے خدا کی اس رحمت سے اب بھی فائدہ نہ اٹھایا تو پھر اُن کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ بندگیِ رب کا دعوےٰ کرنے والے نافرمانوں کے ساتھ کرتا ہے مگر افسوس صد افسوس کہ اس تنبیہ کی طرف قطعاً کوئی توجہ نہ دی گئی بلکہ ہم نے اپنی حماقت سے اللہ تعالیٰ کی اس تائید و نصرت کو اپنی جنگی مہارت پر محمول کیا اور اس فتح مندی پر خدا کے حضور میں سجدۂ شکر بجا لانے کے غرورِ نفس میں مبتلا ہو کر اُس کے خلاف بغاوت کی راہ اختیار کی۔ نتیجہ سامنے ہے کہ پُوری قوم داخلی اور خارجی انتشار کی شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ آبادی کا نصف سے زیادہ حصّہ پاکستان سے کٹ کر بھارت کے تسلط میں چلا گیا ہے اور جو حصّہ فی الحال بچ گیا ہے اس میں جس نوعیت کا خلفشار پایا جاتا ہے اُسے دیکھتے ہوئے کوئی ہوشمند شخص کسی روشن مستقبل کی توقع نہیں کر سکتا۔

گذشتہ دنوں جماعت اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ نے اس نازک مرحلے پر ملک کی موجودہ تشویشناک صورتِ حال پر کسی قدر تک غور و خوض کر کے اُن اسباب کی نشاندہی کی ہے جن کی وجہ سے پاکستان کے مسلمانوں پر یہ قیامت ٹوٹی ہے اور پھر نہ صرف انہیں مستقبل کے خطرات سے آگاہ کیا ہے بلکہ ان تدابیر کی طرف بھی بڑے واضح طور پر اشارہ کیا ہے جنہیں اختیار کر کے اُن رُو بہ انحطاط حالات کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ ارکانِ شوریٰ کے سات روزہ غور و فکر کے نتائج مختلف قراردادوں کی صورت میں منظرِ عام پر آچکے ہیں ہم یہاں ایک قرارداد کے بعض حصّوں کو نقل کر کے اس ملک کے بہی خواہوں کو ان پر سنجیدگی سے غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اس قرارداد میں پہلے تو ماضی کی لغزشوں اور مجرمانہ غفلتوں کی طرف قوم کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے اور پھر اُن تدابیر کا تذکرہ کیا گیا ہے جو ملک کی تعمیرِ نو کے لیے بے حد ضروری ہیں۔

"جماعت اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلسِ شوریٰ سقوطِ مشرقی پاکستان کے اسباب اور اس سے پیدا شدہ مسائل کا جائزہ لینے کے بعد اس یقین کا اظہار کرتی ہے کہ ہم بحیثیت قوم جس شکست، ذلت اور تباہی سے دوچار ہوئے ہیں اور جن خطرات میں گھر گئے ہیں وہ دراصل ایک عذاب ہے جو خدا اور اس کے دین کے ساتھ مسلسل بے وفائی، منافقت اور انحراف کی وجہ سے ہم پر نازل ہوا ہے۔ اب وقت ہے کہ ملت کا ایک ایک فرد اور پوری قوم بحیثیتِ قوم خلوص اور ایمانداری کے ساتھ اپنے کردار کا بے لاگ احتساب کرے، خرابی کے حقیقی اسباب کو سمجھے، ماضی کی غلطیوں پر توبہ و استغفار کرے اور مستقبل کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے ان بنیادوں کو پھر سے مضبوط کرنے کی فکر کرے جن پر ہماری ملی زندگی کی عمارت قائم ہوئی ہے۔

ہمیں جس ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے اس کی وجوہ میں بلاشبہ قیادت کی مجرمانہ کوتاہیوں اور غلطیوں ہی کا نہیں، سُرخ و سفید اور برہمنی سامراج کی بین الاقوامی سازشوں اور ان کے نہایت شرمناک جارحانہ کردار کا بہت بڑا حصہ ہے، لیکن اصلاً یہ تباہی نتیجہ ہے ان تباہ کن پالیسیوں اور پروگراموں کا جن پر یہاں گذشتہ ۲۴ سال سے عمل ہوتا رہا ہے اور بار بار کے انتباہ کے باوجود جن کی اصلاح کی طرف کوئی توجہ نہ کی گئی۔ یہ ناکامی ہے اس ظالمانہ نظام اور قول و فعل میں مطابقت سے عاری اس قیادت کی جسے تحریکِ پاکستان کے واضح مقاصد اور خدا اور خلق سے کیے گئے وعدوں کے برعکس یہاں غلبہ حاصل رہا، یہاں تک کہ اس کی مسلسل غلط کاریوں نے پوری ملت کو

اس عذابِ الٰہی میں مبتلا کر دیا۔

پاکستان اس وعدے اور اعلان کے ساتھ قائم کیا گیا تھا کہ اس میں زندگی کا سارا نقشہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی انقلابی بنیاد پر اُستوار کیا جائے گا اور اس سرزمین کو اسلامی نظامِ حیات کی عملی تجربہ گاہ بنایا جائے گا۔ لیکن قیامِ پاکستان کے بعد نعرہ تو برابر اسلام ہی کا لگایا جاتا رہا لیکن عملاً عہدوں اور اقتدار کی جنگ، ذاتی اغراض و مفادات کی کشمکش، فسق و فجور کے فروغ اور انفرادی و اجتماعی ہر شعبۂ حیات میں ظلم اور ناانصافی اور دین و اخلاق سے بے پروائی کو زندگی کا محور بنا لیا گیا۔ زندگی کی ہر سطح پر منافقت اور دو رنگی کا دَور دورہ ہو گیا۔ شریعتِ اسلامی کے نفاذ کی ہر راہ کو مسدود کرنے کی کوشش کی گئی۔ معیشت اور معاشرت، قانون و سیاست، تعلیم و تربیت اور تمدن و ثقافت کے ہر میدان میں خدا سے کھلی بغاوت کی روش اختیار کی گئی۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے احکام اور اسلامی قدروں کی ترویج اور پیروی کے بجائے یہاں شراب، جُوئے، زنا، فواحش و بے حیائی، اختلاطِ مرد و زن، لادین تہذیب اور غیر اسلامی نظریات کو فروغ دیا گیا۔ یہی وہ اصل جرم ہے جس نے ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں وہ بگاڑ پیدا کیا جس نے ایک چوتھائی صدی کے اندر مسلمانوں کی بے شمار قربانیوں سے بننے والے اس ملک کا شیرازہ منتشر کر دیا۔ جس قوم کے مختلف گروہوں نے حقیقی بھائیوں کی طرح متحد ہو کر یہ ملک حاصل کیا تھا وہ ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ اور ایک دوسرے کی جان، مال اور آبرو کے دشمن بن گئے۔ حد یہ ہے کہ پانچ چھ کروڑ مسلمان پھر اسی ہندو سامراج کے پنجۂ استبداد میں گرفتار ہو گئے ہیں جس سے نجات حاصل کرنے کے لیے انھوں نے پاکستان کی جنگ لڑی تھی اور پاکستان کا جو حصّہ بچا رہ گیا ہے اس پر بھی روز افزوں انتشار، خانہ جنگی، نسلی، لسانی اور علاقائی عصبیتوں اور قسطائیت کے سیاہ بادل چھاتے چلے جا رہے ہیں۔"

وہ اسباب جن کی وجہ سے یہ اندوہناک حالات پیدا ہوئے اُن کی طرف مجلسِ شوریٰ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

پاکستان کے قیام کے بعد جو نظامِ تعلیم یہاں رائج رکھا گیا اس نے نئی نسلوں کو پاکستان کے نظریے، اس کے

مقاصد، اس کی ضرورت، تاریخ اور روایات اور اس کے عالمگیر مشن سے نہ صرف یہ کہ نا آشنا رکھا بلکہ اُلٹا اِس درجہ بیگانہ کر دیا کہ آخر کار اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی نام لیوا اس قوم کی نوجوان نسل کے اندر کثیر تعداد میں جاہلیت کے ایسے علمبردار پیدا ہو گئے جو اسلام اور اسلامی قدروں کے مقابلے میں انہی ملحدانہ نظریات اور اطوارِ زندگی کی خاطر لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں جن سے بچنے کے لیے تقسیم ہند اور پاکستان کے قیام کی جدوجہد کی گئی تھی۔

جو ملک سرتاسر جمہور کی طاقت سے اور جمہوری طریقے سے وجود میں آیا تھا اس میں سیاست و حکمرانی کا وہ طریقہ اختیار کیا گیا جو جمہوریت کی نفی تھا۔ صاف اور سیدھے جمہوری طریقے سے حکومت چلانے کے بجائے یہاں محلاتی سازشوں، فوجی انقلاب اور آمریت کا راستہ اختیار کیا گیا۔ مفاد پرست سیاسی عناصر، خود غرض سول بیورو کریسی اور طالع آزما فوجی افسروں کا جتھا نتائج سے بے پروا ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بنا رہا۔ اس چیز نے صحت مند سیاسی عمل و ارتقا کے دروازے بالکل بند کر دیئے۔ ان سیاسی و معاشی محرومیوں اور شدید بے اعتدالیوں کو جنم دیا جنہوں نے ملک کو ایک آتش فشاں میں تبدیل کر دیا۔

اس صورتِ حال سے پیدا ہونے والے خطرات کو اس مجرمانہ تغافل نے خوفناک حد تک بڑھا دیا ہے جو ملک کے مختلف حصّوں اور ملّت کے مختلف طبقات کے درمیان حق و انصاف سے کام لینے میں برتا گیا۔ یہاں جو بھی اقتدار پر آیا اس نے غربت و افلاس اور ظلم و ستم کے شکار عوام کے مسائل کے حل کی فکر کرنے کے بجائے اپنے مفاد کی پوجا کی۔ اسی چیز نے نسلی اور علاقائی تعصبات کو ابھرنے کا موقع دیا اور پھر انہی تعصبات کو بیرونی طاقتوں اور ہمارے خارجی دشمنوں نے اپنے مقاصد کے حصُول کے لیے استعمال کیا۔

تاریخ کے اس نازک مرحلہ پر جماعت اسلامی، پوری قوم اور اس کے ہر سطح کے اربابِ اختیار کو اس بات کی دعوت دیتی ہے کہ وہ ملک کے ایک بڑے حصّے کی علیحدگی، اس عبرتناک شکست اور ملک گیر انتشار کے اصل وجوہ کا جائزہ لیں اور ان کے مہیب نتائج کے آئینہ میں اس حقیقت کو اپنی چشم سر دیکھ لیں کہ منافقت کی روش اور خدا کے دین سے عملی بغاوت نے دنیا کی سب سے بڑی

اسلامی ریاست کو کس حشر سے دوچار کیا ہے۔ یہ سب کچھ آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد اب بھی اگر اصلاحِ حال اور رجوع الی اللہ کی روش اختیار نہ کی گئی تو سخت اندیشہ ہے کہ جو کچھ بچا رہ گیا ہے اس کا انجام اس سے زیادہ اندوہناک ہو۔

مرکزی مجلسِ شوریٰ نے اِصلاحِ احوال کے لیے جو تدابیر پیش کی ہیں ان کا ذیل میں تذکرہ کیا گیا ہے:

(۱) مجلسِ شوریٰ جماعتِ اسلامی پاکستان انتہائی دلسوزی کے ساتھ قوم اور اس کے کارفرما حضرات کو اس امر کی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہے کہ ہمارے لیے ہمیشہ کی طرح فلاح و سعادت کا اب بھی ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ ہم سچے مسلمانوں کی طرح خلوص کے ساتھ اسلام پر عمل پیرا ہوں، قول و عمل کا تضاد ترک کریں، اپنی پوری انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلامی تصوّرِ حیات پر اُستوار کریں، اپنے تعلیمی، معاشی، تمدنی، قانونی اور سیاسی نظام کو قرآن اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ڈھالیں اور دنیا کے سامنے اس مثالی نظامِ زندگی اور عدل و انصاف کا عملی نمونہ پیش کریں جس کے لیے پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔

(۲) جماعتِ اسلامی کے نزدیک ملک کا نظام دیانتداری کے ساتھ صاف ستھری جمہوریت کے اصولوں پر چلایا جانا چاہیے۔ مارشل لا، آمریت، فسطائی طرزِ سیاست، اور جبر و استبداد کے طریقے مزید بگاڑ اور تباہی کے باعث تو بن سکتے ہیں مگر خیر و فلاح کی کوئی راہ ان کے ذریعہ سے ہرگز نہیں نکالی جا سکتی۔ سیاسی زندگی کو دلیل، شائستگی، آزادیٔ اظہار، رواداری اور حقیقی رائے عامہ کے مطابق قیادت کی پُرامن تبدیلی کے اصولوں پر مبنی ہونا چاہیے، کیونکہ قومی زندگی کو انہی اصولوں پر قائم کر کے ملک و ملت کو تباہی سے بچایا جا سکتا ہے۔

(۳) جماعتِ اسلامی قوم اور حکومت دونوں کو مغرب کی اخلاق سوز ثقافت، شراب، زنا، جُوئے اور دوسرے فواحش و منکرات کی ان تباہ کاریوں کی طرف متوجہ کرتی ہے جو ان بُرائیوں میں مبتلا حکمرانوں کے ہاتھوں ملک و ملت پر وارد ہوئی ہیں اور حکومت اور عوام دونوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ پوری قوت کے ساتھ اِن بُرائیوں کا خاتمہ کریں کیونکہ ان کی بقا و استحکام کا

انحصار ان سماجی برائیوں کے استیصال پر ہے۔ وہ قوم جس کی اساس اور بنیاد ہی خدا کی اطاعت اور اس سے وفاداری پر قائم ہو، اس کی نافرمانی کی راہ اختیار کر کے کبھی فلاح و سعادت سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔

(۴) جماعت اسلامی کے نزدیک تمام باشندگانِ ملک کو ملتِ واحدہ میں ضم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تمام افراد، گروہوں، طبقات اور علاقوں کے درمیان سیاسی اور معاشی عدل و انصاف کے اصولوں کو عملاً کارفرما کیا جائے اس لیے وہ قوم کو دعوت دیتی ہے کہ معاشی اور سیاسی تمام مسائل کے حل کے لیے اسلامی عدل و انصاف پر ملک کے نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد کرے۔ اس بارے میں کوتاہی اور انحراف کے بُرے نتائج جس طرح ماضی میں تباہ کُن ہوتے ہیں مستقبل میں بھی ان سے مختلف نتائج کی توقع نہیں کرنی چاہیے۔

(۵) جماعت اسلامی کے نزدیک ایک صحت مند اور مبنی برحق و انصاف نظام کی تعمیر کے لیے ضروری ہے کہ قومی زندگی کی ہر سطح پر ایک دیانتدار، اصول پرست اور اسلام کی وفادار قیادت اُبھرے جو صحیح اسلامی معاشرہ و ریاست کے قیام کی اہل اور سچے دل سے خواہاں ہو۔ دو رنگی قیادت کے کارنامے ہم بار بار دیکھ چکے ہیں۔ اس لیے ہم پُوری دردمندی کے ساتھ اربابِ اقتدار کو بھی قول و عمل میں یکرنگی پیدا کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور عوام کو بھی احساس دلانا چاہتے ہیں کہ اسلام، اسلام کے نعرے بلند کرتے ہوئے اسلام کے صریح احکام کی علانیہ خلاف ورزی کرنے کی جو ریت ہمارے ہاں عام ہو گئی ہے اس کو بدلنے کی فکر کریں۔ کیونکہ یہ خدا کے غضب کو بھڑکانے والی حرکت ہے۔

جماعت اسلامی تمام برادرانِ ملت سے پُرزور اپیل کرتی ہے کہ وہ قومی آزمائش کی اس کٹھن گھڑی میں ہمہ گیر اصلاح و تعمیر کے ایک نئے عزم کے ساتھ اٹھیں اور اپنی قومی عزت اور وقار کو بحال کرنے اور اپنے خدا کی رضا کے حصول کے لیے ملک و ملت کو ان کی اصل منزل سے ہمکنار کرنے کی جدوجہد میں شریک ہوں۔"

تفہیم القرآن

الم نشرح

نام | پہلے ہی فقرے کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول | اس کا مضمون سورہ ضحیٰ سے اس قدر ملتا جلتا ہے کہ یہ دونوں سورتیں قریب قریب ایک ہی زمانے اور ایک جیسے حالات میں نازل شدہ معلوم ہوتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ مکۂ معظمہ میں والضحیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے۔

موضوع اور مضمون | اس کا مقصد و مدعا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے۔ نبوت سے پہلے حضورؐ کو کبھی اُن حالات سے سابقہ پیش نہ آیا تھا جن کا سامنا نبوت کے بعد دعوتِ اسلامی کا آغاز کرتے ہی یکایک آپ کو کرنا پڑا۔ یہ خود آپ کی زندگی میں ایک انقلابِ عظیم تھا جس کا کوئی اندازہ آپ کو قبلِ نبوت کی زندگی میں نہ تھا۔ اسلام کی تبلیغ آپ نے کیا شروع کی کہ دیکھتے دیکھتے وہی معاشرہ آپ کا دشمن ہو گیا جس میں آپؐ پہلے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ وہی رشتہ دار، دوست، اہلِ قبیلہ اور اہلِ محلہ آپؐ کو گالیاں دینے لگے جو پہلے آپؐ کو ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔ مکہ میں کوئی آپؐ کی بات سننے کا روادار نہ تھا۔ راہ چلتے آپؐ پر آوازے کسے جانے لگے۔ قدم قدم پر آپؐ کے سامنے مشکلات ہی مشکلات تھیں۔ اگرچہ رفتہ رفتہ آپ کو اِن حالات، بلکہ اِن سے بھی بدرجہا زیادہ سخت حالات کا مقابلہ کرنے کی عادت پڑ گئی، لیکن ابتدائی زمانہ آپ کے لیے نہایت دل شکن تھا۔ اِسی بنا پر آپ کو تسلی دینے کے لیے پہلے سورۂ ضحیٰ نازل کی گئی اور پھر اس سورت کا نزول ہوا۔

اِس میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ کو بتایا ہے کہ ہم نے آپ کو تین بہت بڑی نعمتیں عطا کی ہیں جن کی موجودگی میں کوئی وجہ نہیں کہ آپ دل شکستہ ہوں۔ ایک شرحِ صدر کی نعمت دوسری

یہ نعمت کہ آپ کے اوپر سے ہم نے وہ بھاری بوجھ اُتار دیا جو نبوت سے پہلے آپ کی کمر توڑے ڈال رہا تھا۔ تیسری رفعِ ذکر کی نعمت جو آپ سے بڑھ کر تو درکنار آپ کے برابر بھی کبھی کسی بندے کو نہیں دی گئی۔ آگے چل کر ہم نے اپنے حواشی میں وضاحت کر دی ہے کہ اِن تینوں نعمتوں سے مُراد کیا ہے اور یہ کتنی بڑی نعمتیں ہیں۔

اِس کے بعد ربِّ کائنات اپنے بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطمینان دلاتا ہے کہ مشکلات کا یہ دَور جس سے آپ کو سابقہ پیش آ رہا ہے، کوئی بہت لمبا دَور نہیں ہے بلکہ اِس تنگی کے ساتھ ہی ساتھ فراخی کا دَور بھی لگا چلا آ رہا ہے۔ یہ وہی بات ہے جو سُورۂ ضُحیٰ میں اس طرح فرمائی گئی تھی کہ آپ کے لیے ہر بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہوگا اور عنقریب آپ کا رب آپ کو وہ کچھ دے گا جس سے آپ کا دل خوش ہو جائے گا۔

آخر میں حضوؐر کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ ابتدائی دَور کی اِن سختیوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت آپ کے اندر ایک ہی چیز سے پیدا ہوگی، اور وہ یہ ہے کہ جب اپنے مشاغل سے آپ فارغ ہوں تو عبادت کی مشقت و ریاضت میں لگ جائیں اور ہر چیز سے بے نیاز ہو کر صرف اپنے رب سے لَو لگائیں۔ یہ وہی ہدایت ہے جو زیادہ تفصیل کے ساتھ حضوؐر کو سُورۂ مزّمّل آیات ۱تا ۹ میں دی گئی ہے۔

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے

(اے نبی) کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لیے کھول نہیں دیا؟[1] اور تم پر سے وہ بھاری بوجھ اتار

۱؎ اِس سوال سے کلام کا آغاز، اور پھر بعد کا مضمون یہ ظاہر کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس زمانے میں اُن شدید مشکلات پر سخت پریشان تھے جو دعوتِ اسلامی کا کام شروع کرنے کے بعد ابتدائی دَور میں آپ کو پیش آ رہی تھیں۔ اِن حالات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کرکے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اے نبی، کیا ہم نے یہ اور یہ عنایات تم پر نہیں کی ہیں؟ پھر اِن ابتدائی مشکلات پر تم پریشان کیوں ہوتے ہو؟

سینہ کھولنے کا لفظ قرآن مجید میں جن مواقع پر آیا ہے اُن پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دو معنی ہیں (۱) سُورۂ انعام آیت ۱۲۵ میں فرمایا فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ۔ "پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت بخشنے کا ارادہ فرماتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔" اور سُورۂ زُمَر آیت ۲۲ میں فرمایا اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ "تو کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو پھر وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہو . . . " ان دونوں مقامات پر شرحِ صدر سے مراد ہر قسم کے ذہنی خلجان اور تردّد سے پاک ہو کر اس بات پر پوری طرح مطمئن ہو جانا ہے کہ اسلام کا راستہ ہی برحق ہے اور وہی عقائد، وہی اصولِ اخلاق و تہذیب و تمدّن، اور وہی احکام و ہدایات بالکل صحیح ہیں جو اسلام نے انسان کو دیتے ہیں۔ (۲) سُورۂ شعراء آیت ۱۲-۱۳ میں ذکر آیا ہے کہ حضرت مُوسیٰ کو جب اللہ تعالیٰ نبوت کے منصبِ عظیم پر مامور کرکے فرعون اور اس کی عظیم سلطنت سے جا ٹکرانے کا حکم دے رہا تھا تو انہوں نے عرض کیا رَبِّ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ وَيَضِيْقُ صَدْرِیْ "میرے رب، مَیں ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ مجھے جھٹلا دینگے اور میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے" اور سُورۂ طٰہٰ آیات ۲۵-۲۶ میں بیان کیا گیا ہے کہ اِسی موقع پر حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَيَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ "میرے رب میرا سینہ میرے لیے کھول دے اور میرا کام میرے لیے آسان کر دے"۔ یہاں سینے کی تنگی سے مراد یہ ہے کہ نبوت جیسے کارِ عظیم کا بار سنبھالنے اور تن تنہا کفر کی ایک جابر و قاہر طاقت سے ٹکر لینے کی آدمی کو ہمت نہ پڑ رہی ہو۔ اور شرحِ صدر سے مراد یہ ہے کہ آدمی کا حوصلہ بلند ہو جائے، کسی بڑی سے بڑی مُہم پر جانے اور کسی سخت سے سخت کام کو انجام دینے میں بھی اسے تامل نہ ہو، اور نبوّت کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالنے کی اُس میں ہمت پیدا ہو جائے۔

دیا جو تمہاری کمر توڑے ڈال رہا تھا۔ اور تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا۔ پس حقیقت

غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اِس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ کھول دینے سے یہ دونوں معنی مراد ہیں پہلے معنی کے لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین عرب، نصاریٰ، یہود، مجوس، سب کے مذہب کو غلط سمجھتے تھے، اور اُس حنیفیت پر بھی مطمئن نہ تھے جو عرب کے بعض قائلینِ توحید میں پائی جاتی تھی، کیونکہ یہ ایک مبہم عقیدہ تھا جس میں راہِ راست کی کوئی تفصیل نہ ملتی تھی (اس کی تشریح ہم تفہیم القرآن، جلد چہارم، السجدہ، حاشیہ ۵ میں کر چکے ہیں)، لیکن آپ کو چونکہ خود یہ معلوم نہ تھا کہ راہِ راست کیا ہے، اس لیے آپ سخت ذہنی خلجان میں مبتلا تھے۔ نبوت عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اِس خلجان کو دُور کر دیا اور وہ راہِ راست کھول کر آپ کے سامنے رکھ دی جس سے آپ کو کامل اطمینانِ قلب حاصل ہو گیا۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے اِس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت عطا کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ حوصلہ، وہ ہمت، وہ اولوالعزمی اور وہ وسعتِ قلب عطا فرما دی جو اِس منصبِ عظیم کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے درکار تھی۔ آپ اُس وسیع علم کے حامل ہو گئے جو آپ کے سوا کسی انسان کے ذہن میں سما نہ سکتا تھا۔ آپ کو وہ حکمت نصیب ہو گئی جو بڑے سے بڑے بگاڑ کو دُور کرنے اور سنوار دینے کی اہلیت رکھتی تھی۔ آپ اِس قابل ہو گئے کہ جاہلیت میں مستغرق اور جہالت کے اعتبار سے انتہائی اکھڑ معاشرے میں کسی سر و سامان اور ظاہراً کسی پشت پناہ طاقت کی مدد کے بغیر اسلام کے علمبردار بن کر کھڑے ہو جائیں مخالفت اور دشمنی کے کسی بڑے سے بڑے طوفان کا مقابلہ کرنے سے نہ ہچکچائیں، اِس راہ میں جو تکلیفیں اور مصیبتیں بھی پیش آئیں ان کو صبر کے ساتھ برداشت کر لیں، اور کوئی طاقت آپ کو اپنے موقف سے نہ ہٹا سکے۔ یہ شرحِ صدر کی بیش بہا دولت جب اللہ نے آپ کو عطا کر دی ہے تو آپ اُن مشکلات پر دل گرفتہ کیوں ہوتے ہیں جو آغازِ کار کے اِس مرحلے میں پیش آ رہی ہیں۔

بعض مفسرین نے شرحِ صدر کو شقِ صدر کے معنی میں لیا ہے اور اس آیت کو اُس معجزۂ شقِ صدر کا ثبوت قرار دیا ہے جو احادیث کی روایات میں بیان ہوا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس معجزے کے ثبوت کا مدار احادیث کی روایات ہی پر ہے، قرآن سے اس کو ثابت کرنے کی کوشش صحیح نہیں ہے۔ عربی زبان کے لحاظ سے شرحِ صدر کو کسی طرح بھی شقِ صدر کے معنی میں نہیں لیا جا سکتا۔ علامہ آلوسی رُوح المعانی میں فرماتے ہیں کہ حمل الشرح فی الاٰیۃ علی شق الصدر ضعیف عند المحققین "محققین کے نزدیک اس آیت میں شرح کو شقِ صدر پر محمول کرنا ایک کمزور بات ہے"۔

۲۔ مفسّرین میں سے بعض نے اِس کا مطلب یہ لیا ہے کہ نبوت سے پہلے ایّامِ جاہلیّت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے کچھ قصور ایسے ہوگئے تھے جن کی فکر آپ کو سخت گراں گزر رہی تھی اور یہ آیت نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطمئن کر دیا کہ آپ کے وہ قصور ہم نے معاف کر دیئے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ معنی لینا سخت غلطی ہے۔ اوّل تو لفظ وِزر کے معنی لازماً گناہ ہی کے نہیں ہیں بلکہ یہ لفظ بھاری بوجھ کے لیے بھی بولا جاتا ہے، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ اس کو خواہ مخواہ بُرے معنی میں لیا جائے۔ دوسرے حضورؐ کی نبوت سے پہلے کی زندگی بھی اس قدر پاکیزہ تھی کہ قرآن میں مخالفین کے سامنے اُس کو ایک چیلنج کے طور پر پیش کیا گیا تھا، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے کفّار کو مخاطب کر کے یہ کہوایا گیا کہ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ "میں اِس قرآن کو پیش کرنے سے پہلے تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں" (یونس، آیت ۱۶)۔ اور حضورؐ اِس کردار کے انسان بھی نہ تھے کہ لوگوں سے چھپ کر آپؐ نے کوئی گناہ کیا ہو۔ معاذ اللہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ تو اس سے ناواقف نہ ہو سکتا تھا کہ جو شخص کوئی چھپا ہُوا داغ اپنے دامن پر لیے ہوئے ہوتا اُس سے خلقِ خدا کے سامنے برملا وہ بات کہواتا جو سورۂ یونس کی مذکورۂ بالا آیت میں اُس نے کہوائی ہے۔ پس درحقیقت اِس آیت میں وِزر کے صحیح معنی بھاری بوجھ کے ہیں اور اس سے مراد رنج و غم اور فکر و پریشانی کا وہ بوجھ ہے جو اپنی قوم کی جہالت و جاہلیت کو دیکھ دیکھ کر آپ کی حسّاس طبیعت پر پڑ رہا تھا۔ آپ کے سامنے بُت پُوجے جارہے تھے۔ شرک اور مشرکانہ اوہام و رسوم کا بازار گرم تھا۔ اخلاق کی گندگی اور بے حیائی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ معاشرت میں ظلم اور معاملات میں فساد عام تھا۔ زور آوروں کی زیادتیوں سے بے زور پِس رہے تھے۔ لڑکیاں زندہ دفن کی جارہی تھیں۔ قبیلوں پر قبیلے چھاپے مار رہے تھے اور بعض اوقات سَو سَو برس تک انتقامی لڑائیوں کا سلسلہ چلتا رہتا تھا۔ کسی کی جان، مال اور آبرو محفوظ نہ تھی جب تک کہ اس کی پُشت پر کوئی مضبوط جتّھا نہ ہو۔ یہ حالت دیکھ کر آپؐ کڑھتے تھے مگر اس بگاڑ کو دُور کرنے کی کوئی صورت آپؐ کو نظر نہ آتی تھی۔ یہی فکر آپ کی کمر توڑے ڈال رہی تھی جس کا بارِ گراں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا راستہ دکھا کر آپؐ کے اوپر سے اتار دیا اور نبوت کے منصب پر سرفراز ہوتے ہی آپ کو معلوم ہو گیا کہ توحید اور آخرت اور رسالت پر ایمان ہی وہ شاہ کلید ہے جس سے انسانی زندگی کے ہر بگاڑ کا قفل کھولا جا سکتا ہے اور زندگی کے ہر پہلو میں اصلاح کا راستہ صاف کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اِس رہنمائی نے آپ کے ذہن کا سارا بوجھ ہلکا کر دیا اور آپ پُوری طرح مطمئن ہو گئے کہ اِس ذریعہ سے آپ نہ صرف عرب بلکہ پُوری نوعِ انسانی کو اُن خرابیوں سے نکال سکتے ہیں جن میں اُس وقت عرب سے باہر کی بھی ساری دنیا مبتلا تھی۔

؎ یہ بات اُس زمانہ میں فرمائی گئی تھی جب کوئی شخص یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ جس فردِ فرید کے ساتھ گنتی کے چند آدمی ہیں اور وہ بھی صرف شہرِ مکّہ تک محدود ہیں اُس کا آوازہ دنیا بھر میں کیسے بلند ہو گا اور کیسی ناموری اس کو حاصل ہو گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اِن حالات میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ خوشخبری سنائی اور پھر عجیب طریقہ سے اس کو پُورا کیا۔ سب سے پہلے آپ کے رفعِ ذکر کا کام اُس نے خود آپؐ کے دشمنوں سے لیا۔ کفارِ مکّہ نے آپ کو زک دینے کے لیے جو طریقے اختیار کیے اُن میں سے ایک یہ تھا کہ حج کے موقع پر جب تمام عرب سے لوگ کھنچ کھنچ کر اُن کے شہر میں آتے تھے، اُس زمانہ میں کفّار کے وفود حاجیوں کے ایک ایک ڈیرے پر جاتے اور لوگوں کو خبردار کرتے کہ یہاں ایک خطرناک شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) نامی ہے جو لوگوں پر ایسا جادُو کرتا ہے کہ باپ بیٹے، بھائی بھائی اور شوہر اور بیوی میں جُدائی پڑ جاتی ہے، اس لیے ذرا اُس سے بچ کر رہنا۔ یہی باتیں وہ اُن سب لوگوں سے بھی کہتے تھے جو حج کے سوا دوسرے دنوں میں زیارت یا کسی کاروبار کے سلسلے میں مکّہ آتے تھے۔ اِس طرح اگرچہ وہ حضورؐ کو بدنام کر رہے تھے، لیکن اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے گوشے گوشے میں آپ کا نام پہنچ گیا اور مکّہ کے گوشۂ گمنامی سے نکال کر خود دشمنوں نے آپ کو تمام ملک کے قبائل سے متعارف کرا دیا۔ اس کے بعد یہ بالکل فطری امر تھا کہ لوگ یہ معلوم کریں کہ وہ شخص ہے کون؟ کیا کہتا ہے؟ کیسا آدمی ہے؟ اُس کے "جادُو" سے متاثر ہونے والے کون لوگ ہیں اور اُن پر اس کے "جادُو" کا آخر کیا اثر پڑا ہے؟ کفارِ مکّہ کا پروپیگنڈا جتنا جتنا بڑھتا چلا گیا لوگوں میں یہ جستجو بھی بڑھتی چلی گئی۔ پھر جب اِس جستجو کے نتیجے میں لوگوں کو آپ کے اخلاق اور آپ کی سیرت و کردار کا حال معلوم ہوا، جب لوگوں نے قرآن سُنا اور انہیں پتہ چلا کہ وہ تعلیمات کیا ہیں جو آپؐ پیش فرما رہے ہیں، اور جب دیکھنے والوں نے یہ دیکھا کہ جس چیز کو جادُو کہا جا رہا ہے اس سے متاثر ہونے والوں کی زندگیاں عرب کے عام لوگوں کی زندگیوں سے کس قدر مختلف ہو گئی ہیں، تو وہی بدنامی نیک نامی سے بدلنی شروع ہو گئی، حتیٰ کہ ہجرت کا زمانہ آتے تک نوبت یہ پہنچ گئی کہ دور و نزدیک کے عرب قبائل میں شاید ہی کوئی قبیلہ ایسا رہ گیا ہو جس میں کسی نہ کسی شخص یا کُنبے نے اسلام قبول نہ کر لیا ہو، اور جس میں کچھ نہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے اور آپ کی دعوت سے ہمدردی و دلچسپی رکھنے والے پیدا نہ ہو گئے ہوں۔ یہ حضورؐ کے رفعِ ذکر کا پہلا مرحلہ تھا۔ اس کے بعد ہجرت سے دوسرے مرحلے کا آغاز ہوا جس میں ایک طرف منافقین، یہود، اور تمام عرب کے اکابر مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بدنام کرنے میں سرگرم تھے، اور دوسری طرف مدینۂ طیّبہ کی اسلامی ریاست خدا پرستی و خدا ترسی، زہد و تقویٰ، طہارتِ اخلاق، حسنِ معاشرت، عدل و انصاف، انسانی مساوات، مالداروں کی فیاضی، غریبوں کی خبر گیری،

یہ ہے کہ تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔ بے شک تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔[ک] لہٰذا جب تم فارغ ہو

عہد و پیمان کی پاسداری اور معاملات میں راست بازی کا وہ عملی نمونہ پیش کر رہی تھی جو لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتا چلا جا رہا تھا۔ دشمنوں نے جنگ کے ذریعہ سے حضورؐ کے اِس بڑھتے ہوئے اثر کو مٹانے کی کوشش کی، مگر آپؐ کی قیادت میں اہلِ ایمان کی جو جماعت تیار ہوئی تھی اس نے اپنے نظم و ضبط، اپنی شجاعت، اپنی موت سے بے خوفی، اور حالتِ جنگ تک میں اخلاقی حدود کی پابندی سے اپنی برتری اس طرح ثابت کر دی کہ سارے عرب نے ان کا لوہا مان لیا۔ ۱۰ سال کے اندر حضورؐ کا رفعِ ذکر اِس طرح ہوا کہ وہی ملک جس میں آپ کو بدنام کرنے کے لیے مخالفین نے اپنا سارا زور لگا دیا تھا، اُس کا گوشہ گوشہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ کی صدا سے گونج اُٹھا۔ پھر تیسرے مرحلے کا افتتاح خلافتِ راشدہ کے دَور سے ہوا جب آپ کا نامِ مبارک تمام رُوئے زمین میں بلند ہونا شروع ہو گیا۔ یہ سلسلہ آج تک بڑھتا ہی جا رہا ہے اور انشاء اللہ قیامت تک بڑھتا چلا جائے گا۔ دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں مسلمانوں کی کوئی بستی موجود ہو اور دن میں پانچ مرتبہ اذان میں بآوازِ بلند محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان نہ ہو رہا ہو، نمازوں میں حضورؐ پر درود نہ بھیجا جا رہا ہو، جمعہ کے خطبوں میں آپؐ کا ذکرِ خیر نہ کیا جا رہا ہو، اور سال کے بارہ مہینوں میں سے کوئی دن اور دن کے ۲۴ گھنٹوں میں سے کوئی وقت ایسا نہیں ہے جب رُوئے زمین میں کسی نہ کسی جگہ حضورؐ کا ذکرِ مبارک نہ ہو رہا ہو۔ یہ قرآن کی صداقت کا ایک کھلا ہوا ثبوت ہے کہ جس وقت نبوت کے ابتدائی دَور میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ، اُس وقت کوئی شخص بھی یہ اندازہ نہ کر سکتا تھا کہ یہ رفعِ ذکر اِس شان سے اور اتنے بڑے پیمانے پر ہو گا۔ حدیث میں حضرت ابوسعید خُدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جبریلؑ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا میرا رب اور آپ کا رب پوچھتا ہے کہ میں نے کس طرح تمہارا رفعِ ذکر کیا؟ میں نے عرض کیا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ تمہارا بھی ذکر کیا جائے گا" (ابن جَریر، ابن ابی حاتم، مُسند ابو یَعلیٰ، ابن المُنذِر، ابنِ حِبّان، ابن مَردُوْیہ، ابو نُعیم)۔ بعد کی پوری تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ یہ بات حرف بحرف پوری ہوئی۔

[ک] اِس بات کو دو مرتبہ دُہرایا گیا ہے تاکہ حضورؐ کو پُوری طرح تسلی دے دی جائے کہ جن سخت حالات سے آپ اِس وقت گزر رہے ہیں یہ زیادہ دیر رہنے والے نہیں ہیں بلکہ ان کے بعد قریب ہی میں اچھے حالات آنے والے ہیں۔ بظاہر یہ بات متناقض معلوم ہوتی ہے کہ تنگی کے ساتھ فراخی ہو، کیونکہ یہ دونوں چیزیں

تو عبادت کی مشقت میں لگ جاؤ اور اپنے رب ہی کی طرف راغب ہو۔ؑ

بیک وقت جمع نہیں ہوتیں۔ لیکن تنگی کے بعد فراخی کہنے کے بجائے تنگی کے ساتھ فراخی کے الفاظ اس معنی میں استعمال کیے گئے ہیں کہ فراخی کا دَور اِس قدر قریب ہے گویا وہ اس کے ساتھ ہی چلا آ رہا ہے۔

ؔ فارغ ہونے سے مراد اپنے مشاغل سے فارغ ہونا ہے، خواہ وہ دعوت و تبلیغ کے مشاغل ہوں یا اسلام قبول کرنے والوں کی تعلیم و تربیت کے مشاغل، یا اپنے گھر بار اور دنیوی کاموں کے مشاغل۔ حکم کا منشا یہ ہے کہ جب کوئی اور مشغولیت نہ رہے تو اپنا فارغ وقت عبادت کی ریاضت و مشقت میں صرف کرو اور ہر طرف سے توجہ ہٹا کر صرف اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

تفہیم القرآن

التّین

نام | پہلے ہی لفظ وَالتِّین کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول | قتادہ کہتے ہیں کہ یہ سورۃ مدنی ہے۔ ابن عباسؓ سے دو قول منقول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ مکی ہے اور دوسرا یہ کہ مدنی ہے۔ لیکن جمہور علماء اسے مکی ہی قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے مکی ہونے کی کھلی ہوئی علامت یہ ہے کہ اس میں شہر مکہ کے لیے هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ (یہ پُرامن شہر) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر اس کا نزول مدینہ میں ہوا ہوتا تو مکہ کے لیے "یہ شہر" کہنا صحیح نہیں ہو سکتا تھا۔ علاوہ بریں سورت کے مضمون پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ مکۂ معظمہ کے بھی ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی نشان اس امر کا نہیں پایا جاتا کہ اس کے نزول کے وقت کفر و اسلام کی کشمکش برپا ہو چکی تھی، اور اس کے اندر مکی دور کی ابتدائی سورتوں کا وہی انداز بیان پایا جاتا ہے جس میں نہایت مختصر اور دل نشین طریقہ سے لوگوں کو سمجھایا گیا ہے کہ آخرت کی جزا و سزا ضروری اور سراسر معقول ہے۔

موضوع اور مضمون | اس کا موضوع ہے جزاء و سزا کا اثبات۔ اس غرض کے لیے سب سے پہلے جلیل القدر انبیاء کے مقاماتِ ظہور کی قسم کھا کر فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے۔ اگرچہ اس حقیقت کو دوسرے مقامات پر قرآن مجید میں مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً کہیں فرمایا کہ انسان کو خدا نے زمین میں اپنا خلیفہ بنایا اور فرشتوں کو اس کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا (البقرہ، ۳۰-۳۴۔ الانعام، ۱۶۵۔ الاعراف، ۱۱۔ الحجر، ۲۸-۲۹۔ النمل ۶۲۔ ص ۷۱ تا ۷۳)۔ کہیں فرمایا کہ انسان اُس امانتِ الٰہی کا حامل ہوا ہے جسے اٹھانے کی طاقت زمین و آسمان اور

پہاڑوں میں بھی نہ تھی (الاحزاب، ۷۲)۔ کہیں فرمایا کہ ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت عطا کی (بنی اسرائیل، ۷۰)۔ لیکن یہاں خاص طور پر انبیاء کے مقاماتِ ظہور کی قسم کھا کر یہ فرمانا کہ انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا گیا ہے، یہ معنی رکھتا ہے کہ نوعِ انسانی کو اتنی بہتر ساخت عطا کی گئی کہ اس کے اندر نبوّت جیسے بلند ترین منصب کے حامل لوگ پیدا ہوئے جس سے اونچا منصب خدا کی کسی دوسری مخلوق کو نصیب نہیں ہوا۔

اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ انسانوں میں دو قسمیں پائی جاتی ہیں۔ ایک وہ جو اس بہترین ساخت پر پیدا ہونے کے بعد بُرائی کی طرف مائل ہوتے ہیں اور اخلاقی پستی میں گرتے گرتے اُس انتہا کو پہنچ جاتے ہیں جہاں اُن سے زیادہ نیچ کوئی دوسری مخلوق نہیں ہوتی۔ دوسرے وہ جو ایمان و عمل صالح کا راستہ اختیار کر کے اس گراوٹ سے بچ جاتے ہیں اور اُس مقامِ بلند پر قائم رہتے ہیں جو اُن کے بہترین ساخت پر پیدا ہونے کا لازمی تقاضا ہے۔ نوعِ انسانی میں اِن دونوں قسموں کے لوگوں کا پایا جانا ایک ایسا امرِ واقعی ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس کا مشاہدہ انسانی معاشرے میں ہر جگہ ہر وقت ہو رہا ہے۔

آخر میں اس امرِ واقعی سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جب انسانوں میں یہ دو الگ الگ اور ایک دوسرے سے قطعی مختلف قسمیں پائی جاتی ہیں تو پھر جزائے اعمال کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے۔ اگر پستی میں گرنے والوں کو کوئی سزا اور بلندی پر چڑھنے والوں کو کوئی اجر نہ ملے، اور انجام کار دونوں کا یکساں ہو، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی خدائی میں کوئی انصاف نہیں ہے۔ حالانکہ انسانی فطرت اور انسان کی عقلِ عام یہ تقاضا کرتی ہے کہ جو شخص بھی حاکم ہو وہ انصاف کرے۔ پھر یہ کیسے تصوّر کیا جا سکتا ہے کہ اللہ، جو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے، وہ انصاف نہیں کرے گا۔

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے

قسم ہے انجیر اور زیتون کی[1] اور طُورِ سینا[2] اور اِس پُرامن شہر (مکہ) کی[3]، ہم نے انسان کو بہترین ساخت

---

[1] اِس کی تفسیر میں مفسّرین کے درمیان بہت اختلاف ہوا ہے۔ حسن بصری، عِکرِمہ، عطاء بن ابی رَباح، جابر بن زید، مجاہد اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ انجیر سے مراد یہی انجیر ہے جسے لوگ کھاتے ہیں اور زیتون بھی یہی زیتون ہے جس سے تیل نکالا جاتا ہے۔ ابن ابی حاتم اور حاکم نے ایک قول حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی اس کی تائید میں نقل کیا ہے۔ اور جن مفسّرین نے اِس تفسیر کو قبول کیا ہے انہوں نے انجیر اور زیتون کے خواص اور فوائد بیان کر کے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِنہی خوبیوں کی وجہ سے اِن دونوں پھلوں کی قسم کھائی ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ ایک عام عربی داں تین اور زیتون کے الفاظ سُن کر وہی معنی لے گا جو عربی زبان میں معروف ہیں لیکن دو وجوہ ایسے ہیں جو یہ معنی لینے میں مانع ہیں۔ ایک یہ کہ آگے طورِ سینا اور شہرِ مکّہ کی قسم کھائی گئی ہے، اور دو پھلوں کے ساتھ دو مقامات کی قسم کھانے میں کوئی مناسبت نظر نہیں آتی۔ دوسرے، اِن چار چیزوں کی قسم کھا کر آگے جو مضمون بیان کیا گیا ہے اُس پر طُورِ سینا اور شہرِ مکہ تو دلالت کرتے ہیں لیکن یہ دو پھل اُس پر دلالت نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں بھی کسی چیز کی قسم کھائی ہے، اُس کی عظمت یا اس کے منافع کی بنا پر نہیں کھائی، بلکہ ہر قسم اُس مضمون پر دلالت کرتی ہے جو قسم کھانے کے بعد بیان کیا گیا ہے۔ اِس لیے اِن دونوں پھلوں کے خواص کو وجہِ قسم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

بعض دوسرے مفسّرین نے تین اور زیتون سے مراد بعض مقامات لیے ہیں۔ کَعبِ اَحبار، قَتادہ اور ابنِ زید کہتے ہیں کہ تین سے مراد دمشق ہے اور زیتون سے مراد بیت المَقدِس۔ ابن عباسؓ کا ایک قول ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن مَردُویَہ نے یہ نقل کیا ہے کہ تین سے مراد حضرت نوحؑ کی وہ مسجد ہے جو انہوں نے جُودی پہاڑ پر بنائی تھی اور زیتون سے مراد بیت المقدس ہے۔ لیکن وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ کے الفاظ سُن کر یہ معنی ایک عام عرب کے ذہن میں نہیں آسکتے تھے اور نہ یہ بات قرآن کے مخاطب اہلِ عرب میں معروف تھی کہ تین اور زیتون اِن مقامات کے نام ہیں۔

البتہ یہ طریقہ اہلِ عرب میں رائج تھا کہ جو پھل کسی علاقے میں کثرت سے پیدا ہوتا ہو اُس علاقے کو وہ بسا اوقات اُس پھل کے نام سے منسوب کر دیتے تھے۔ اِس محاورے کے لحاظ سے تین اور زیتون کا مطلب منابتِ تین و زیتون، یعنی اِن پھلوں کی پیداوار کا علاقہ ہو سکتا ہے، اور وہ شام و فلسطین کا علاقہ ہے، کیونکہ اُس زمانے کے اہلِ عرب میں یہی علاقہ انجیر اور زیتون کی پیداوار کے لیے مشہور تھا۔ ابنِ تیمیہ، ابن القیم، زمخشریؒ اور آلوسی رحمہم اللہ

پر پیدا کیا،[۳] پھر اُسے اُلٹا پھیر کر ہم نے سب نیچوں سے نیچ کر دیا،[۴] سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے

نے اِسی تفسیر کو اختیار کیا ہے اور ابنِ جریر نے بھی اگرچہ پہلے قول کو ترجیح دی ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بات تسلیم کی ہے کہ تین و زیتون سے مراد ان پھلوں کی پیداوار کا علاقہ بھی ہو سکتا ہے۔

[۲] اصل میں طُوْرِ سِیْنِیْنَ فرمایا گیا ہے۔ سینین جزیرہ نمائے سینا کا دوسرا نام ہے۔ اس کو سَینا یا سِینا بھی کہتے ہیں اور سینین بھی۔ خود قرآن میں ایک جگہ طُوْرِ سَیْنَاءَ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اب چونکہ وہ علاقہ جس میں کوہِ طُور واقع ہے سِینا ہی کے نام سے مشہور ہے اس لیے ہم نے ترجمہ میں اس کا یہی مشہور نام درج کیا ہے۔

[۳] یہ ہے وہ بات جس پر انجیر و زیتون کے علاقے یعنی شام و فلسطین اور کوہِ طور اور مکّہ کے پُر امن شہر کی قسم کھائی گئی ہے۔ انسان کے بہترین ساخت پر پیدا کیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کو وہ اعلیٰ درجہ کا جسم عطا کیا گیا ہے جو کسی دوسری جاندار مخلوق کو نہیں دیا گیا، اور اُسے فکر و فہم اور علم و عقل کی وہ بلند پایہ قابلیتیں بخشی گئی ہیں جو کسی دوسری مخلوق کو نہیں بخشی گئیں۔ پھر چونکہ نوعِ انسانی کے اِس فضل و کمال کا سب سے زیادہ بلند نمونہ انبیاء علیہم السلام ہیں اور کسی مخلوق کے لیے اِس سے اونچا کوئی مرتبہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ اُسے منصبِ نبوت عطا کرنے کے لیے منتخب فرمائے، اِس لیے انسان کے احسنِ تقویم پر ہونے کی شہادت میں اُن مقامات کی قسم کھائی گئی ہے جو خدا کے پیغمبروں سے نسبت رکھتے ہیں۔ شام و فلسطین کا علاقہ وہ علاقہ ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بکثرت انبیاء مبعوث ہوئے۔ کوہِ طور وہ مقام ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا کی گئی۔ رہا مکّہ معظمہ تو اس کی بنا ہی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے ہاتھوں پڑی، اُنہی کی بدولت وہ عرب کا مقدس ترین مرکزی شہر بنا، حضرت ابراہیم ہی نے یہ دعا مانگی تھی کہ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا "اے میرے رب اِس کو ایک پُر امن شہر بنا" (البقرہ۔۱۲۶) اور اسی دُعا کی یہ برکت تھی کہ عرب میں ہر طرف پھیلی ہوئی بدامنی کے درمیان صرف یہی ایک شہر ڈھائی ہزار سال سے امن کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ پس کلام کا مقصود یہ ہے کہ ہم نے نوعِ انسانی کو ایسی بہترین ساخت پر بنایا کہ اس میں نبوت جیسے عظیم مرتبے کے حامل انسان پیدا ہوئے۔

[۴] مفسرین نے بالعموم اس کے دو معنی بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم نے اسے اَرْذَلُ العُمُر یعنی بڑھاپے کی ایسی حالت کی طرف پھیر دیا جس میں وہ کچھ سوچنے سمجھنے اور کام کرنے کے قابل نہ رہا۔ دوسرے یہ کہ ہم نے اُسے جہنّم کے سب سے نیچے درجے کی طرف پھیر دیا۔ لیکن یہ دونوں معنی اُس مقصودِ کلام کے لیے دلیل نہیں بن سکتے جسے ثابت

کرنے کے لیے یہ سُورۃ نازل ہوئی ہے۔ سُورۃ کا مقصود جزا و سزا کے برحق ہونے پر استدلال کرنا ہے۔ اس پر نہ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ انسانوں میں سے بعض لوگ بُڑھاپے کی انتہائی کمزور حالت کو پہنچا دیئے جاتے ہیں، اور نہ یہی بات دلالت کرتی ہے کہ انسانوں کا ایک گروہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ پہلی بات اس لیے جزا و سزا کی دلیل نہیں بن سکتی کہ بُڑھاپے کی حالت اچھے اور بُرے، دونوں قسم کے لوگوں پر طاری ہوتی ہے، اور کسی کا اِس حالت کو پہنچنا کوئی سزا نہیں ہے جو اُسے اُس کے اعمال پر دی جاتی ہو۔ رہی دوسری بات، تو وہ تو آخرت میں پیش آنے والا معاملہ ہے، اُسے اُن لوگوں کے سامنے دلیل کے طور پر کیسے پیش کیا جا سکتا ہے جنہیں آخرت ہی کی جزا و سزا کا قائل کرنے کے لیے یہ سارا استدلال کیا جا رہا ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک آیت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ بہترین ساخت پر پیدا کیے جانے کے بعد جب انسان اپنے جسم اور ذہن کی طاقتوں کو بُرائی کے راستے میں استعمال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے بُرائی ہی کی توفیق دیتا ہے اور گراتے گراتے اُسے گراوٹ کی اُس انتہا تک پہنچا دیتا ہے کہ کوئی مخلوق گراوٹ میں اُس حد کو پہنچی ہوئی نہیں ہوتی۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو انسانی معاشرے کے اندر بکثرت مشاہدے میں آتی ہے۔ حرص، طمع، خود غرضی، شہوت پرستی، نشہ بازی، کمینہ پن، غیظ و غضب اور ایسی ہی دوسری خصلتوں میں جو لوگ غرق ہو جاتے ہیں وہ اخلاقی حیثیت سے فی الواقع سب نیچوں سے نیچ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر صرف اِسی ایک بات کو لے لیجیے کہ ایک قوم جب دوسری قوم کی دشمنی میں اندھی ہو جاتی ہے تو کس طرح درندگی میں تمام درندوں کو مات کر دیتی ہے۔ درندہ تو صرف اپنی غذا کے لیے کسی جانور کا شکار کرتا ہے، جانوروں کا قتلِ عام نہیں کرتا۔ مگر انسان خود اپنے ہی ہم جنس انسانوں کا قتلِ عام کرتا ہے۔ درندہ صرف اپنے پنجوں اور دانتوں سے کام لیتا ہے۔ مگر یہ احسنِ تقویم پر پیدا ہونے والا انسان اپنی عقل سے کام لے کر توپ، بندوق، ٹینک، ہوائی جہاز، ایٹم بم، ہائیڈروجن بم اور دوسرے بے شمار ہتھیار ایجاد کرتا ہے تاکہ آن کی آن میں پوری پوری بستیوں کو تباہ کر کے رکھ دے۔ درندہ صرف زخمی یا ہلاک کرتا ہے۔ مگر انسان اپنے ہی جیسے انسانوں کو اذیت دینے کے ایسے ایسے دردناک طریقے اختراع کرتا ہے جن کا تصور بھی کبھی کسی درندے کے دماغ میں نہیں آ سکتا۔ پھر یہ اپنی دشمنی اور انتقام کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لیے کمینہ پن کی اِس انتہا کو پہنچتا ہے کہ عورتوں کے ننگے جلوس نکالتا ہے، ایک ایک عورت کو دس دس بیس بیس آدمی اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں، باپوں اور بھائیوں اور شوہروں کے سامنے اُن کے گھر کی عورتوں کی عصمت لوٹتے ہیں، بچوں کو اُن کے ماں باپ کے سامنے قتل کرتے ہیں، ماؤں کو اپنے

اور نیک عمل کرتے رہے کہ اُن کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔ پس (اے نبی) اِس کے بعد کون جزا و سزا

بچوں کا خون پینے پر مجبور کرتے ہیں، انسانوں کو زندہ جلاتے اور زندہ دفن کرتے ہیں۔ دنیا میں وحشی سے وحشی جانوروں کی بھی کوئی قسم ایسی نہیں ہے جو انسان کی اس وحشت کا کسی درجہ میں بھی مقابلہ کر سکتی ہو۔ یہی حال دوسری بُری صفات کا بھی ہے کہ اُن میں سے جس کی طرف بھی انسان رُخ کرتا ہے، اپنے آپ کو ارذل المخلوقات ثابت کر دیتا ہے حتیٰ کہ مذہب، جو انسان کے لیے مقدس ترین شے ہے، اُس کو بھی وہ اتنا گرا دیتا ہے کہ درختوں اور جانوروں اور پتھروں کو پُوجتے پُوجتے پستی کی انتہا کو پہنچ کر مرد و عورت کے اعضائے جنسی تک کو پوج ڈالتا ہے، اور دیوتاؤں کی خوشنودی کے لیے عبادت گاہوں میں دیوداسیاں رکھتا ہے جن سے زنا کا ارتکاب کارِ ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ جن ہستیوں کو وہ دیوتا اور معبود کا درجہ دیتا ہے ان کی طرف اس کی دیومالا میں ایسے ایسے گندے قصے منسوب ہوتے ہیں جو ذلیل ترین انسان کے لیے بھی باعثِ شرم ہیں۔

ؔ۵ جن مفسّرین نے اسفل سافلین سے مراد بڑھاپے کی وہ حالت لی ہے جس میں انسان اپنے ہوش حواس کھو بیٹھتا ہے وہ اِس آیت کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ "مگر جن لوگوں نے اپنی جوانی اور تندرستی کی حالت میں ایمان لا کر نیک اعمال کیے ہوں اُن کے لیے بڑھاپے کی اِس حالت میں بھی وہی نیکیاں لکھی جائیں گی اور اسی کے مطابق وہ اجر پائیں گے۔ اُن کے اجر میں اس بنا پر کوئی کمی نہ کی جائے گی کہ عمر کے اِس دَور میں اُن سے وہ نیکیاں صادر نہیں ہوئیں" اور جو مفسّرین اسفل سافلین کی طرف پھیرے جانے کا مطلب جہنم کے ادنیٰ ترین درجہ میں پھینک دیا جانا لیتے ہیں ان کے نزدیک اِس آیت کے معنی یہ ہیں کہ "ایمان لا کر عمل صالح کرنے والے لوگ اِس سے مستثنیٰ ہیں، وہ اِس درجہ کی طرف نہیں پھیرے جائیں گے، بلکہ اُن کو وہ اجر ملے گا جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا" لیکن یہ دونوں معنی اُس استدلال سے مناسبت نہیں رکھتے جو جزا و سزا کے برحق ہونے پر اِس سُورت میں کیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جس طرح انسانی معاشرے میں یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ اخلاقی پستی میں گرنے والے لوگ گرتے گرتے سب نیچوں سے نیچ ہو جاتے ہیں اُسی طرح یہ بھی ہر زمانے کا عام مشاہدہ ہے کہ جو لوگ خدا اور آخرت اور رسالت پر ایمان لائے اور جنہوں نے اپنی زندگی عملِ صالح کے سانچے میں ڈھال لی وہ اِس پستی میں گرنے سے بچ گئے اور اُسی احسنِ تقویم پر قائم رہے جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا تھا، اس لیے وہ اجرِ غیر ممنون کے مستحق ہیں، یعنی ایسے اجر کے جو نہ اُن کے استحقاق سے کم دیا جائے گا، اور نہ اُس کا سلسلہ کبھی منقطع ہوگا۔

ؔ۶ دوسرا ترجمہ اس آیت کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "پس (اے انسان) اِس کے بعد کیا چیز تجھے جزا و سزا کے

کے معاملہ میں تم کو جھٹلا سکتا ہے؟ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ ع ۱

جھٹلانے پر آمادہ کرتی ہے" دونوں صورتوں میں مدعا ایک ہی رہتا ہے۔ یعنی جب یہ بات علانیہ انسانی معاشرے میں نظر آتی ہے کہ بہترین ساخت پر پیدا کی ہوئی نوعِ انسانی میں سے ایک گروہ اخلاقی پستی میں گرتے گرتے سب نیچوں سے نیچ ہو جاتا ہے، اور دوسرا گروہ ایمان و عملِ صالح اختیار کر کے اِس گراوٹ سے بچا رہتا ہے اور اُسی حالت پر قائم رہتا ہے جو بہترین ساخت پر انسان کے پیدا کیے جانے سے مطلوب تھی، تو اِس کے بعد جزا و سزا کو کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے؟ کیا عقل یہ کہتی ہے کہ دونوں قسم کے انسانوں کا انجام یکساں ہو؟ کیا انصاف یہی چاہتا ہے کہ نہ اسفل السافلین میں گرنے والوں کو کوئی سزا دی جائے اور نہ اُس سے بچ کر پاکیزہ زندگی اختیار کرنے والوں کو کوئی جزا؟ یہی بات دوسرے مقامات پر قرآن میں اِس طرح فرمائی گئی ہے کہ اَفَنَجۡعَلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ کَالۡمُجۡرِمِیۡنَ، مَا لَکُمۡ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ "کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کی طرح کر دیں؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم کیسے حکم لگاتے ہو؟" (القلم-۳۵-۳۶)۔ اَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ اجۡتَـرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَهُمۡ كَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحۡيَاهُمۡ وَمَمَاتُهُمۡ سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ "کیا بُرائیوں کا ارتکاب کرنے والوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم اُنہیں اُن لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے؟ دونوں کی زندگی اور موت یکساں ہو؟ بہت بُرے حکم ہیں جو یہ لوگ لگاتے ہیں" (الجاثیہ-۲۱)۔

ے یعنی جب دنیا کے چھوٹے چھوٹے حاکموں سے بھی تم یہ چاہتے ہو اور یہی توقع رکھتے ہو کہ وہ انصاف کریں، مجرموں کو سزا دیں اور اچھے کام کرنے والوں کو صلہ و انعام دیں، تو خدا کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا وہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ اگر تم اس کو سب سے بڑا حاکم مانتے ہو تو کیا اس کے بارے میں تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ کوئی انصاف نہ کرے گا؟ کیا اُس سے تم یہ توقع رکھتے ہو کہ وہ بُرے اور بھلے کو ایک جیسا کر دے گا؟ کیا اس کی دنیا میں بدترین افعال کرنے والے اور بہترین کام کرنے والے، دونوں مر کر خاک ہو جائیں گے اور کسی کو نہ بد اعمالیوں کی سزا ملے گی نہ حسنِ عمل کی جزا؟

امام احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن المنذر، بیہقی، حاکم اور ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی سورۂ والتین والزیتون پڑھے اور اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِاَحۡکَمِ الۡحٰکِمِیۡنَ پر پہنچے تو کہے بَلٰی وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰاھِدِیۡنَ (ہاں، اور میں اس پر شہادت دینے والوں میں سے ہوں)۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور جب یہ آیت پڑھتے تو فرماتے سُبۡحَانَکَ فَبَلٰی۔

اسلام میں حلال و حرام کا تصوّر

شیخ یوسف القرضاوی

(۲)

تحلیل و تحریم کا حق صرف اللہ کو ہے دوسرا اصول یہ ہے کہ اسلام کسی چیز یا فعل کو حرام یا حلال قرار دینے کا اختیار انسان کو ہرگز نہیں دیتا خواہ دینی یا دنیاوی اعتبار سے وہ انسان کتنے ہی اُونچے درجے پر فائز ہو۔ بلکہ وہ یہ اختیار صرف خالقِ کائنات کے لیے مختص کرتا ہے۔ کسی مولوی، پیر، بادشاہ یا سلطان کو ہرگز کوئی اختیار نہیں کہ وہ کسی چیز کو اللہ کے بندوں پر حرام کر دے۔ اور اپنے اس فعل کو دین کا ایک حصّہ قرار دے۔ جس نے ایسا کیا وہ حد سے تجاوز کرے گا اور دینی قانون سازی میں اللہ تعالیٰ کے حق پر دست درازی کرے گا۔ اور جس شخص نے اُن کے اس عمل پر رضامندی کا اظہار کیا اور اُن کی پیروی کی اُس نے انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھیرایا اور اُس کی اپنے مولویوں، پیروں یا بادشاہوں کی پیروی شرک سمجھی جائے گی۔ سورۂ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ۔ (شوریٰ: ۲۰)

کیا ان لوگوں نے کچھ ایسے شریک خُدا بنا رکھے ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کی نوعیت رکھنے والا ایک ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کا اللہ نے اِذن نہیں دیا۔

قرآن مجید نے اُن اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کی مذمت کی ہے جنہوں نے حلال و حرام کا اختیار اپنے علماء اور پادریوں کو دے دیا تھا۔ سورۂ توبہ میں خداوندِ عالم فرماتا ہے:

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ، وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا ، لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ،

انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی۔ حالانکہ اُن کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا،

سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۔ (توبہ: ۳۱)

وہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، پاک ہے وہ اُن مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں ۔

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جو مسلمان ہونے سے پہلے نصرانی تھے ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب انہوں نے حضورؐ کی زبان وحی ترجمان سے مذکورہ آیت سنی تو کہنے لگے "اے اللہ کے رسولؐ! وہ (نصاریٰ) اُن (علماء اور پادریوں) کی عبادت تو نہیں کرتے"۔ آپؐ نے فرمایا "کرتے ہیں" جب وہ اُن پر کسی حلال چیز کو حرام کرتے ہیں اور حرام کو حلال کرتے ہیں تو وہ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی تو اُن کی عبادت کرنا ہے"۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا "جہاں تک نصاریٰ و یہود کا تعلق ہے تو وہ اُن کی (علماء اور پادریوں کی) بندگی تو نہیں کرتے تھے۔ مگر جب وہ کسی چیز کو ان کے لیے حلال قرار دیتے تھے تو وہ اُسے حلال سمجھتے تھے اور جب وہ کسی چیز کو حرام کہہ دیتے تھے تو وہ بھی اُسے حرام کہتے تھے۔

عیسائیوں کا یہ خیال ہے کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر جاتے ہوئے اپنے شاگردوں کو یہ اختیار دے گئے تھے کہ وہ جس چیز کو چاہیں حرام اور جسے چاہیں حلال قرار دے دیں۔ چنانچہ متی کی انجیل میں لکھا ہے "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو کچھ تم زمین پر باندھو گے وہ آسمان پر بندھے گا اور جو کچھ تم زمین پر کھولو گے وہ آسمان پر کھلے گا"[1]

اسی طرح قرآن مجید میں اُن مشرکین کی بھی مذمت کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی قسم کا اختیار ملے بغیر بعض افعال و اشیاء کو حلال یا حرام ٹھیراتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ أَرَأَيْتُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ لَكُم مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْتُم مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ آللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ ۔ (یونس: ۵۹)

اے نبیؐ! ان سے کہو، تم لوگوں نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ جو رزق اللہ نے تمہارے لیے اُتارا تھا اس میں سے تم نے خود ہی کسی کو حرام اور کسی کو حلال ٹھیرا لیا۔ ان سے پوچھو اللہ نے تم کو اس کی اجازت دی تھی یا تم نے خود ہی اللہ پر افتراء کیا ہے؟

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ:

اور یہ جو تمہاری زبانیں جھوٹے احکام لگایا کرتی ہیں کہ یہ

---

[1] متی، ۱۸: ۱۸ ۔

هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۔ (النحل : ۱۱۶)

چیز حلال ہے اور وہ حرام۔ تو اس طرح کے حکم لگا کر اللہ پر جھوٹ نہ باندھا کرو۔ جو لوگ اللہ پر افترا باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پایا کرتے۔

ان واضح اور بیّن آیات و احادیث سے فقہائے اسلام نے یقینی طور پر یہ سمجھا ہے کہ صرف اللہ وحدہٗ لا شریک ہی کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دے۔ یعنی کتاب و سنّت میں اُسے حلال یا حرام قرار دیا گیا ہو اور فقیہانِ اسلام کا کام اس سے زیادہ کچھ نہیں تھا کہ وہ حلال و حرام کے بارے میں احکامِ خداوندی بتائیں۔ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ[1] (اللہ نے جن چیزوں کو تم پر حرام کر دیا ہے اُن کی تفصیل اُس نے تمہیں بتا دی ہے)، اور ان کا یہ کام ہرگز نہیں تھا کہ وہ جائز و ناجائز کے بارے لوگوں کے لیے شریعت سازی کریں۔ اور امامت و اجتہاد کے مقام پر فائز ہونے کے باوجود وہ فتویٰ دینے سے گریز کرتے تھے اور فتویٰ پوچھنے والے سے یہ کہہ دیتے تھے کہ آپ فلاں امام کی طرف رجوع کریں جو علم و فضل میں ہم سے بڑے ہیں۔ وہ اس لیے ایسا کرتے تھے مبادا وہ نادانستہ طور پر کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام ٹھیرا دیں۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الاُمّ[2] میں امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد قاضی ابویوسفؒ سے روایت کی ہے کہ "میں نے دیکھا ہے کہ ہمارے زمانے کے بڑے بڑے اہلِ علم سوائے اُن چیزوں کے کہ جو کتاب اللہ میں واضح طور پر حلال یا حرام کر دی گئی ہیں کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کے متعلق فتویٰ دینے سے ہمیشہ گریز کرتے تھے۔ ابنِ سائب نے ربیع بن خثیم جو تابعین میں بڑے فاضل شخص تھے، سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا "خبردار! کوئی شخص ہرگز یہ نہ کہے کہ فلاں چیز اللہ نے حلال کی ہے یا اسے پسند کیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ قیامت کے روز اُس سے کہے "میں نے تو اس چیز کو حلال کیا تھا نہ پسند۔ اور کوئی شخص یہ بھی ہرگز نہ کہے کہ اللہ نے فلاں چیز کو حرام کر دیا ہے مبادا خداوندِ ذوالجلال قیامت کے دن اس سے کہے تو جھوٹ کہتا تھا، میں نے تو اس چیز کو حرام کیا تھا نہ اس سے منع کیا تھا۔"

امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ جو کوفہ میں کبار فقہائے تابعین میں سے تھے، سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے کے علماء و آئمہ جب کسی چیز کے بارے میں فتویٰ دیتے یا اس سے منع کرتے تھے تو اس طرح کے الفاظ استعمال کرتے تھے کہ یہ مکروہ ہے یا اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ کہنا کہ فلاں چیز حلال ہے یا حرام ہے ہمارے نزدیک بہت بڑی بات تھی۔"

---

[1] سورۃ الانعام ، ۱۱۹
[2] الاُمّ، ج ۷، ص ۳۱۷

ابن مفلح سے روایت ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ "سلف صالحین صرف اسی چیز پر حرام کا اطلاق کرتے تھے جس کا حرام ہونا قطعی طور پر معلوم ہوتا تھا[1]"۔ امام احمدؒ ابن حنبل جیسے امام عالی مقام سے جب کسی امر کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ ہمیشہ اس قسم کے الفاظ فرماتے "میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں یا میں اسے پسند نہیں کرتا یا مجھے یہ اچھا نہیں لگتا۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور دیگر آئمہ کبار رحمہم اللہ سے بھی اس قسم کی روایات مروی ہیں[2]۔

تحریمِ حلال شرک کے قریب ہے | یوں تو اسلام نے اُن سب لوگوں کی مذمت کی ہے جو تحلیل و تحریم کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ مگر اُن لوگوں کی پُرزور اور شدید تر الفاظ میں مذمت کی ہے جو حلال و حرام کا فتویٰ دینے میں بڑے متشدد ہیں اور محض اپنے ذاتی میلاناتِ طبع سے مجبور ہو کر خواہ اُن افعال و اشیاء میں بنی نوعِ انسان کے لیے تنگی پیدا کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے وسعت و فراخی رکھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی اور تشدد کے رجحان کو بڑی سختی سے روکا ہے اور متشدد لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے اُن کی ہلاکت و تباہی کی خبر دی ہے چنانچہ صحیح مسلم اور ابوداؤد میں ارشادِ نبوی ہے کہ الاھلک المتنطعون، الا ھلک المتنطعون، الا ھلک المتنطعون: (خبردار متشدد لوگ ہلاک ہو گئے، متشدد لوگ ہلاک ہو گئے، متشدد لوگ ہلاک ہو گئے)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت کے متعلق اعلان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ بعثتُ بالحنیفیۃ السمحۃ "مجھے نرم اور کریمانہ حنیفیت دے کر مبعوث کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عقیدہ و توحید میں مکمل یکسوئی اور کاروبارِ زندگی اور شریعت سازی میں نرم اور کریمانہ طرزِ عمل ان دونوں باتوں کی ضد شرک اور تحریمِ حلال (حلال چیز کو حرام کر دینا) ہیں اور یہ دونوں باتیں وہی ہیں جن کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس روایت میں کیا جو وہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "میں نے اپنے بندوں کو یکسو پیدا کیا اور ان کے پاس شیطان آتے اور انہیں دین سے برگشتہ کیا، اُن پر حلال چیزوں کو حرام کر دیا اور انہوں نے میرے بندوں

---

[1] اس بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سورۂ بقرہ کی آیت (یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ) کے نازل ہونے کے بعد شراب سے کلی طور پر اجتناب نہیں کیا کیونکہ اس میں شراب کا حرام ہونا قطعی نہیں تھا حتیٰ کہ سورۂ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

[2] وہ لوگ جو بلا دلیل بے سوچے سمجھے فوراً کسی چیز پر حرام کا لفظ بول دیتے ہیں۔ وہ ان ماثور کے کردار کو سامنے رکھ کر اپنے کردار کا جائزہ لیں

کو حکم دیا کہ اُس چیز کو میرا شریک ٹھیرائیں جس کی میں نے کوئی سند نہیں اتاری"۔

تحریم حلال شرک کے قریب ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے مشرکینِ عرب کی اُن کے شرک، بتوں اور مال مویشی کی مختلف اقسام سے پاکیزہ چیزوں کو اپنے اُوپر حرام کرنے کے بارے میں بڑی پُرزور مذمت کی ہے جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی اور ان کے اس فعل کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی تحریم اُن کا ایسا ہی ایک فعل تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ جو اونٹنی پانچ دفعہ بچے جن چکی ہو اور آخری بار اس کے ہاں نر بچہ پیدا ہوا ہو، اس کا کان چیر کر اُسے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا پھر نہ کوئی اُس پر سوار ہوتا نہ اُس کا دُودھ پیا جاتا نہ اُسے ذبح کیا جاتا نہ اس کا اُون اتارا جاتا اور اُسے حق تھا کہ جس کھیت اور جس چراگاہ میں چاہے چرے اور جس گھاٹ سے چاہے پانی پیے اُسے بحیرہ یعنی چرے ہوئے کانوں والی کہتے تھے۔ اور جس اونٹ یا اونٹنی کو کسی منّت کے پُورا ہونے یا کسی بیماری سے شفا پانے یا کسی خطرے سے بچ جانے پر بطورِ شکرانہ کے پُن کر دیا گیا ہو اُسے سائبہ یعنی چھوڑی ہوئی کہتے تھے۔ اگر کوئی بکری پہلی بار مادہ جنتی تو اُسے اپنے لیے رکھ لیا جاتا اور اگر نر جنتی تو اُسے خداؤں کے نام ذبح کر دیا جاتا۔ لیکن اگر نر اور مادہ ایک ساتھ پیدا ہوتے تو نر کو ذبح کرنے کے بجائے یُونہی خداؤں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا اور اُسے وصیلہ کہتے تھے۔ اگر کسی اونٹ کا پوتا سواری دینے کے قابل ہو جاتا تو اس بُوڑھے اُونٹ کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا نہ اس پر کوئی سوار ہوتا تھا اور نہ اُس پر کوئی بوجھ لادا جاتا تھا اُسے حام کہتے تھے۔

قرآن مجید نے اُن کے اس خود ساختہ تحریم حلال جیسے فعلِ بد کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اُن کے لیے اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ وہ اس گمراہی و ضلالت میں اپنے آباء و اجداد کی تقلید کرتے رہیں:۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَائِبَةٍ وَّلَا
وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ. وَاِذَا قِيْلَ
لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا
حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۔

(مائدہ، ۱۰۳، ۱۰۴)

اللہ نے نہ کوئی بحیرہ مقرر کیا ہے نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام مگر یہ کافر اللہ پر جھوٹی تہمت لگاتے ہیں اور اُن میں سے اکثر بے عقل ہیں (کہ ایسے وہمیات کو مان رہے ہیں) اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس قانون کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور آؤ پیغمبر کی طرف تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہمارے لیے تو بس وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے کیا یہ

باپ دادا ہی کی تقلید کیے جائیں گے خواہ وہ کچھ نہ جانتے ہوں اور صحیح راستے کی انہیں خبر ہی نہ ہو ؟

اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری میں سے جن چوپایوں کو مشرکین مکہ حرام سمجھتے تھے۔ سورۃ انعام میں ان پر مفصل بحث موجود ہے۔ قرآن کا اسلوبِ گفتگو اگرچہ طنزیہ ہے مگر بے حد مسکت اور دندان شکن۔

ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِّنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنثَيَيْنِ ۖ نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنثَيَيْنِ ؟ (انعام: ۱۴۳، ۱۴۴)

یہ آٹھ نر و مادہ ہیں دو بھیڑ کی قسم سے اور دو بکری کی قسم سے، اے محمدؐ! ان سے پوچھو کہ اللہ نے اُن کے نر حرام کیے ہیں یا مادہ یا وہ بچے جو بھیڑوں اور بکریوں کے پیٹ میں ہوں، ٹھیک ٹھیک علم کے ساتھ مجھے بتاؤ اگر تم سچے ہو اور اسی طرح دو اونٹ کی قسم سے ہیں اور دو گائے کی قسم سے، پوچھو ان کے نر اللہ نے حرام کیے ہیں یا مادہ ؟

سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ حلال کو حرام کرنے والوں کی مذمت اور محرماتِ دائمی (ہمیشہ کے لیے حرام شدہ چیزوں) کے اصول واضح کرتے ہوئے فرماتا ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ۚ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۔ (اعراف: ۳۲، ۳۳)

اے محمدؐ! ان سے پوچھو کہ لباس جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے زیب و زینت اور کھانے کی جو پاکیزہ چیزیں پیدا کی ہیں انہیں حرام کس نے کر دیا؟ کہہ دو کہ اللہ نے تو حرام کی ہیں بے حیائی کی باتیں ظاہر ہو یا پوشیدہ اور گناہ کے کام اور ناحق ظلم اور اس کو اللہ کا شریک ٹھیرانا جس کے لیے اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور تم اللہ پر وہ بہتان باندھو جس کا تمہیں علم نہیں۔

مکی سورتوں میں اس قسم کے مناقشات اور مباحثوں کا مطلب ہمیشہ یہی تھا کہ موضوع زیرِ بحث کے مطابق عقیدۂ توحید اور آخرت کا تصور لوگوں کے دلوں میں راسخ کیا جائے۔ مگر مدینہ میں مسلمانوں کے اندر بعض ایسے افراد پیدا ہو گئے جو تشدد، سختی کی طرف مائل تھے اور اپنے اُوپر حلال اور پاکیزہ چیزوں کو حرام

کرنے کا ارتکاب کر رہے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وہ محکم آیات نازل فرمائیں جو ان لوگوں کو حدودِ الٰہی سے تجاوز کرنے سے روکیں اور راہِ راست کی طرف لوٹا لائیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ۔ (مائدہ ۸۷، ۸۸)

اے ایمان والو! جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انہیں حرام نہ کر لو، اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ اللہ کو زیادتی کرنے والے ناپسند ہیں۔ جو کچھ حلال وطیب رزق اللہ نے تم کو دیا ہے اسے کھاؤ پیو اور اس خدا کی نافرمانی سے بچتے رہو جس پر تم ایمان لاتے ہو۔

تحریمِ اشیاء خبث وضرر کے تابع ہے یہ صرف اُسی ذاتِ بے ہمتا کا حق ہے جو خالقِ کائنات ہے اور انسان کو بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمانے والی ہے کہ لوگوں کے لیے جس چیز کو چاہے حلال کرے اور جسے چاہے حرام قرار دے جیسا کہ یہ اس کا حق ہے کہ بندگی کے جن طریقوں اور پابندیوں کو وہ چاہے اپنے بندوں کو ان کا پابند کر دے اور کسی کی یہ مجال نہیں کہ وہ اُن طریقوں اور پابندیوں پر اعتراض کرے اور خدا کی نافرمانی کا مرتکب ہو، یہ اُن کے لیے اس کی ربوبیت کا اور اس کے لیے اُن کی عبودیت کا حق ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنی رحمت کے تقاضے کے تحت چیزوں کو حلال یا حرام کرتے ہوئے معقول وجوہات کی بنا پر خود بندوں کی بہتری اور بھلائی کو مدنظر رکھا ہے اور صرف پاکیزہ چیزوں کو حلال اور پلید چیزوں کو حرام کیا ہے۔

یہ بات درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر بعض پاکیزہ چیزوں کو بھی حرام کر دیا تھا۔ مگر وہ انہیں اس بات کی سزا تھی جو اللہ نے انہیں اُن سرکشی اور حدود اللہ کی خلاف ورزی کی بنا پر دی تھی جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ (انعام: ۱۴۶)

اور جن لوگوں نے یہودیت اختیار کی ان پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کر دیے تھے۔ اور گائے اور بکری کی چربی بھی بجز اس کے جو اُن کی پیٹھ یا اُن کی آنتوں سے لگی ہوئی ہو یا ہڈی سے لگی رہ جائے۔ یہ ہم نے اُن کی سرکشی کی سزا انہیں دی تھی۔ اور یہ جو کچھ ہم

کہہ رہے ہیں۔ بالکل سچ کہہ رہے ہیں۔

یہودیوں کی سرکشی اور احکامِ خداوندی سے بغاوت کی کیا کیا صورتیں تھیں انہیں قرآنِ مجید کی ایک دوسری سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے:

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۙ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ۔ (النساء، ۱۶۰-۱۶۱)

غرض ان یہودی بن جانے والوں کے اسی ظالمانہ رویہ کی بنا پر اور اس بنا پر کہ یہ بکثرت اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور سُود لیتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا اور لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں۔ ہم نے بہت سی وہ پاک چیزیں ان پر حرام کر دیں جو پہلے اُن کے لیے حلال تھیں۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہمہ گیر اور زندہ و پائندہ دین دے کر مبعوث فرمایا تو اُس نے بنی نوع انسان پر اپنی رحمت و رأفت کا اظہار یُوں فرمایا کہ جو چیزیں ایک سرکش اور بقول تورات ضدی قوم کو وقتی طور پر سزا دینے کے لیے حرام کی گئی تھیں اُن پر سے "حرام" کی پابندی کو اٹھا لیا گیا۔ اور قرآنِ مجید نے ذکر کیا ہے کہ اہلِ کتاب کے نزدیک رسالتِ محمدیؐ کی نشانی یہ ہے کہ وہ

يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (اعراف: ۱۵۷)

اس نبی اُمّی کا ذکر اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور اُن پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو اُن پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مذہبِ اسلام میں گناہوں اور خطاؤں کو معاف کرنے کے لیے پاک چیزوں کو گناہ گاروں اور خطا کاروں پر حرام فرمانے کے بجائے کچھ اور چیزیں مقرر کی ہیں یعنی توبۃ النصوح (سچی توبہ)، جو گناہ کو اس طرح مٹا دیتی ہے جیسے پانی میل کو۔ وہ نیکیاں جو بُرائیوں کو ختم کر دیتی ہیں، صدقات و خیرات جو گناہوں اور خطاؤں کو اس طرح ٹھنڈا کر دیتے ہیں جیسے پانی آگ کو۔ اور راہِ خدا میں اُٹھائی جانے والی تکالیف و مصائب سے خطائیں تو اس طرح منتشر ہو جاتی ہیں جیسے پت جھڑ میں درختوں کے خشک پتے۔

اس طرح اسلام میں یہ بات مشہور و معروف ہے کہ تحریم اشیاء خُبث و ضرر کے تابع ہے یعنی جس چیز کا

نقصان اس کے نفع سے زیادہ ہو وہ حرام اور جس کا نفع نقصان سے زیادہ ہو وہ حلال ہے۔ قرآنِ مجید نے شراب اور جوئے کا ذکر کرتے ہوئے اس اصول کی یوں صراحت کی :

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا۔ (بقرہ : ۲۱۹)

وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے؟ کہو ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے۔ اگرچہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ منافع بھی ہیں مگر ان کا نقصان ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔

اگر کوئی یہ پوچھے کہ اسلام میں کون کونسی اشیاء حلال ہیں؟ تو اس سوال کا سب سے صریح و بلیغ جواب یہ ہے کہ "پاک چیزیں" یعنی وہ چیزیں جنہیں اعتدال پسند طبیعتیں پسند کریں اور جنہیں لوگ عادتاً نہیں بلکہ فطرۃً استحسان کی نظر سے دیکھیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ۔ (مائدہ : ۴)

لوگ پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا ہے کہو تمہارے لیے ساری پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔

الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ (مائدہ : ۵)

آج تمہارے لیے ساری پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں

یہ ضروری نہیں ہر مسلمان اس خبث (ناپاکی) یا نقصان سے پوری طرح آگاہ ہو جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز حرام کی ہو، ہو سکتا ہے کہ ایک مسلمان کی نظر سے وہ خبث و ضرر اوجھل ہو اور دوسرے پر بالکل ظاہر و عیاں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی چیز کا خبث و ضرر ایک زمانے میں بالکل نامعلوم و غیر منکشف ہو مگر آئندہ زمانے میں وہ عیاں راچہ بیاں ہو جائے۔ لہٰذا ہر مومن پر یہ فرض ہے کہ وہ ہمیشہ خدا اور رسول کے حکم پر یہی کہے سمعنا و اطعنا (ہم نے سن لیا اور مان لیا)

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے سور کا گوشت حرام کیا اور مسلمانوں کو سوائے اس کے کہ وہ گندا ہے کوئی وجہ اس کے حرام کیے جانے کی معلوم نہیں تھی۔ پھر زمانہ ترقی کر گیا تو سائنس نے اس کے اندر مہلک کیڑوں اور جراثیم کے وجود کا انکشاف کیا۔ اور اگر سائنس سور میں کسی نقصان دہ چیز کا انکشاف نہ بھی کرتی یا کیڑوں اور جراثیم سے بھی بڑھ کر کسی ضرر رساں چیز کا انکشاف کرتی تو بھی مسلمان اپنے اسی عقیدے پر قائم رہے گا کہ سور پلید اور ناپاک ہے۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین جگہوں پر بول و براز سے بچو: گھاٹ، راہ گزر کے وسط

اور کسی سایہ دار جگہ میں۔ قرونِ اُولیٰ میں لوگ صرف یہی جانتے تھے کہ ان جگہوں پر بول و براز گندا کام ہے جس سے ذوقِ سلیم ابا کرتا ہے اور جو عام آدابِ معاشرت کے خلاف ہے۔ پھر جب سائنسی ترقی ہوئی تو ہمیں معلوم ہوا کہ ان تینوں جگہوں پر بول و براز کرنا صحتِ عامہ کے لیے خطرناک ترین بات ہے اور اس سے مختلف متعدی امراض پھیلتے ہیں۔

جب سائنس کی شعاعیں دُور دُور تک پھیل گئیں اور کشف و تحقیق کا دائرہ وسیع ہو گیا تو حلال و حرام کے سلسلے میں اسلام کی خوبیاں واضح ہونے لگیں اور اپنی جملہ قانون سازیوں میں اس کے اوصاف ظاہر ہونے لگے۔ اور کیوں نہ ہوتے کیونکہ یہ قانون سازی کرنے والی وہ ذات ہے جو علم والی، حکمت والی اور اپنے بندوں پر رحم کرنے والی ہے۔ واللہ یعلم المفسد من المصلح ولو شاء اللہ لاعنتکم ان اللہ عزیز حکیم۔[1] ”برائی کرنے والے اور بھلائی کرنے والے دونوں کا حال اللہ پر روشن ہے اللہ چاہتا تو اس معاملے میں تم پر سختی کرتا مگر وہ صاحبِ اختیار ہونے کے ساتھ صاحبِ حکمت بھی ہے۔“

حلال حرام سے بے نیاز کر دیتا ہے اسلام نے لوگوں کے لیے جو آسانیاں پیدا کی ہیں اُن میں سے ایک بات یہ ہے کہ جو کچھ بھی حرام کیا گیا ہے۔ اُس کے بدلے میں ایسی بہتر چیز حلال کی ہے جو حرام شدہ چیز کی کمی کو پُورا کر کے اُس سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں[2]:

اسلام میں پانسوں کے ذریعے قسمت معلوم کرنے کو حرام قرار دیا گیا اور اس کے بجائے دعائے استخارہ رکھی ہے۔

سُود کو حرام کر کے نفع بخش تجارت کو حلال کیا ہے۔

قمار بازی کو حرام قرار دے کر گھوڑ دوڑ، اونٹ دوڑ اور تیر اندازی میں سُود مند مسابقت کے ذریعے مال کمانا دین میں جائز رکھا گیا ہے۔[3]

ریشم کو حرام فرما کر اُون، سُوت اور کتان کے مختلف قسموں کے ملبوساتِ فاخرہ کو حلال فرمایا ہے۔

زنا اور عملِ قومِ لُوط کو حرام قرار دے کر جائز طریقے سے نکاح کر کے ازدواجی زندگی گزارنے کو حلال کیا ہے۔

نشیات کو حرام کیا ہے تو اس کے بجائے دوسرے لذیذ مشروبات حلال کیے ہیں جو روح و بدن کے لیے

---

[1] سورۂ بقرہ: ۲۲۰ [2] روضۃ المحبین ص ۱۰، اعلام الموقعین ج ۲ ص ۱۱۱ [3] اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے دو گھوڑے دوڑائے جائیں پھر تھوڑی دیر کے بعد ایک تیسرا گھوڑا دوڑایا جائے جو اگر پہلے دونوں سے آگے نکل جائے تو اس کا مالک انعام کا مستحق قرار دیا جائے۔

مفید ہیں۔

بہت سی ناپاک اشیائے خوردنی کو حرام کر کے بہت سی پاک اشیائے خوردنی کو حلال کیا ہے۔

اگر ہم جملہ احکامِ اسلام کا بغور مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اگر ایک طرف اپنے بندوں کے لیے کچھ تنگی پیدا کی تو دوسری طرف اس طرح کی کوئی وسعت و فراخی بھی رکھی ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کو دشواری، تنگی اور تکلیف میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا بلکہ وہ۔ ان کے لیے آسانی، بھلائی، رُشد و ہدایت اور رحمت و غفران کی راہیں کھولنا چاہتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود قرآنِ مجید میں فرماتا ہے:

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۔ وَاللّٰهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَن تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا يُرِيدُ اللّٰهُ أَن يُخَفِّفَ عَنكُمْ وَخُلِقَ الْإِنسَانُ ضَعِيفًا ۔

(النساء ۲۶ : ۲۸)

اللہ چاہتا ہے کہ تم پر اُن طریقوں کو واضح کریں انہی طریقوں پر تمہیں جن کی پیروی تم سے پہلے گزرے ہوئے صلحاء کرتے تھے۔ وہ اپنی رحمت کے ساتھ تمہاری طرف متوجہ ہونے کا ارادہ رکھتا ہے اور وہ علیم بھی ہے اور دانا بھی۔ ہاں اللہ تو تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرنا چاہتا ہے مگر جو لوگ خود اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کر رہے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہِ راست سے ہٹ کر دُور نکل جاؤ اور منشائے الٰہی تم پر تخفیف کرنا ہے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

جو چیز حرام کی طرف لے جائے وہ بھی حرام ہے

حلال و حرام کے سلسلے میں اسلام کے مقرر کردہ اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب ایک چیز کو حرام کیا گیا ہے تو اس کی طرف لے جانے والے سارے وسائل و ذرائع کو بھی حرام کیا گیا ہے۔ مثلاً جب زنا کو حرام کیا گیا تو اس کے محرکات و مہیجات یعنی تبرّجِ جاہلیت، گناہ پر آمادہ کرنے والی خلوت، خواہ مخواہ کا میل جول، عریاں تصاویر، ننگا ادب اور فحش گانے وغیرہ کو بھی قطعی طور پر حرام کر دیا گیا ہے۔

اسی سے فقہائے اسلام نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ "جو چیز حرام کی طرف لے جائے وہ بھی حرام ہے"۔

اسی سے ملتا جلتا ایک اصول اسلام نے یہ بھی مقرر کیا ہے کہ کسی حرام فعل کا گناہ صرف اس کا براہِ راست ارتکاب کرنے والے تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ اس کا دائرۂ اثر اس سے کچھ وسیع ہوتا ہے اور اس میں ہر وہ شخص بھی آجاتا ہے جس نے کسی لحاظ سے بھی اُس حرام فعل کے ارتکاب میں حصّہ لیا ہو۔ اور ہر شخص کو اس فعل میں

اُس کی شرکت کے مطابق گناہ ہوگا جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہے جس میں شراب کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے شراب پینے والے، کشید کرنے والے، اُسے اُٹھانے والے اور وہ شخص جس کی طرف اُسے اُٹھا کرلے جایا جائے اور اس کی کمائی کھانے والے سب پر لعنت فرمائی ہے۔ نیز سُود کا ذکر کرتے ہوئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے سُود کھانے والے، سُود دینے والے، سُودی معاملات میں لکھنے لکھانے کا کام کرنے والے، سُودی لین دین میں گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی۔

پس ثابت ہوا کہ ہر وہ چیز جو حرام میں ممد و معاون ہو وہ بھی حرام ہے اور ہر وہ شخص جو حرام کے ارتکاب میں معاون ہو اُسے بھی ارتکابِ حرام کے گناہ میں شریک سمجھا جائے گا۔

ارتکابِ حرام میں حیلہ سازی بھی حرام ہے جس طرح اسلام میں وہ سارے ظاہری وسائل و محرکات حرام ہیں جو ارتکابِ حرام میں ممد و معاون ہوتے ہیں۔ اسی طرح ارتکابِ حرام میں خفیہ وسائل اور شیطانی حیلوں سے کام لینا بھی حرام اور ناجائز ہے۔ یہودیوں کی اس بات پر پُرزور مذمت کی گئی ہے کہ انہوں نے مختلف حیلہ سازیوں سے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال و مباح ٹھیرا لیا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں: تم اُن باتوں کے مرتکب نہ ہو جن کا ارتکاب یہودیوں نے کیا تھا اور مختلف حیلوں بہانوں سے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال و مباح ٹھیرا لیا تھا[1]۔ مثلاً اللہ تعالیٰ یہودیوں پر ہفتہ کے روز مچھلیوں کا شکار حرام کیا تو انہوں نے اس حرام کے ارتکاب کے لیے یوں حیلہ سازی کی کہ انہوں نے جمعے کے روز گڑھے کھود دیئے تاکہ ہفتے کے روز مچھلیاں اُن میں جمع ہو جائیں اور اتوار کو انہوں نے وہ مچھلیاں پکڑ لیں۔ حیلہ سازوں کے نزدیک تو یہ بات یقیناً جائز ہو گی مگر فقہائے اسلام کے نزدیک بالکل حرام ہے۔ کیونکہ مچھلیوں کے شکار سے روکنے کا مطلب یہ تھا کہ براہِ راست یا بالواسطہ کسی طریقے سے بھی اُن کا شکار نہ کیا جائے۔

بدترین حیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ کسی حرام چیز کا نام اور شکل و صورت تو بدل دی جائے مگر اُس کی حقیقت و اصلیت وہی رہے۔ اور بلاشبہ نام بدلنے کا کوئی معنی نہیں جب کہ مسمّٰی وہی ہے اور ظاہری شکل و صورت تبدیل کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا جب کہ حقیقت و اصلیت وہی رہے۔ لوگ اگر سُود جیسے ناپاک مال کو کھانے کے لیے مختلف حیلوں بہانوں سے اُس کی کئی شکلیں ایجاد کر لیں اور شراب نوشی جائز و مُباح کرنے کے لیے اس کے کئی اور نام رکھ لیں تو اس سے سُود اور شراب نوشی میں گناہ ہے وہ لازمی طور پر باقی رہے گا۔ حدیث میں وارد ہے کہ میری اُمّت میں سے ایک گروہ ایسا ہو گا جو شراب کے

[1] اغاثۃ اللھفان ج ا ص ۳۴۸ پر علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابو عبداللہ بن بطّہ نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اسی طرح ترمذی نے صحیح کہا ہے۔

عالمِ اسلام

عرب وفاق کا دستور اور اس کے مضمرات

جناب خلیل حامدی صاحب

[یہ دستور لفظ بلفظ قاہرہ کے ہفت روزہ "الشباب العربی" شمارہ ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا ہے۔ اور ہم نے اسی پرچے سے نقل کیا ہے —— خ۔ ح]

مصر، لیبیا اور شام کے درمیان جو وفاق قائم کیا گیا ہے اُسے مضبوط اور مستحکم شکل دینے کے لیے باقاعدہ ایک دستور وضع کر کے وفاقی جمہوریتوں میں نافذ کر دیا گیا ہے۔ دستور کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تدوین کے وقت اُن تمام عوامل و اسباب کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے جو مصر و شام کی سابقہ وحدت (۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۳ء) کی ناکامی کی تہ میں کار فرما تھے۔ اس لحاظ سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس وفاق کی بنیاد اور تجربہ سابقہ وحدت کی بنیاد اور تجربہ کی نسبت زیادہ مستحکم اور صحت مندانہ ہے نیز سابقہ وحدت کے قیام کے لیے جو طریقِ کار اور نظام اختیار کیا گیا تھا موجودہ وفاق کی تشکیل کے وقت اُس سے بڑی حد تک پرہیز کیا گیا ہے۔ سابقہ وحدت میں مصر اور شام کو ایک ملک قرار دیا گیا تھا اور "عرب جمہوریہ" کا نام دیا گیا تھا۔ مصر اور شام اُس کے دو صوبے تھے۔ یمن بھی کچھ مدت تک اس کا ایک صوبہ بنا رہا تھا۔ موجودہ وفاق کے

(بقیہ: اِسلام میں حلال و حرام کا تصور)

مختلف نام رکھ کر اُسے جائز ٹھیرائے گا۔[1] ایک دوسری حدیث میں ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا وقت آئیگا جب وہ سُود کو بیع کا نام دے کر جائز و حلال کہیں گے۔[2] چنانچہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ عُریاں رقص کو فن، مختلف قسم کی شرابوں کو "روحانی مشروبات" اور سُود کو "نفع" کا نام دے کر انہیں حلال سمجھا جا رہا ہے۔

---

[1] مسند احمد

[2] اغاثۃ اللہفان ج ۱ ص ۳۵۲

اندر وفاق میں شامل ملکوں کو الگ الگ "جمہوریہ" قرار دیا گیا ہے اور وفاقی نظام کو "عرب جمہوریتوں کا وفاق" (اتحاد الجمہوریات العربیۃ) کہا گیا ہے۔ سابقہ وحدت کا دستور (اگرچہ اسے باقاعدہ دستور کہنا صحیح نہیں ہے) مصر کی طرف سے تیار کیا گیا تھا اور دونوں صوبوں پر اُسے عجلت میں نافذ کر دیا گیا تھا، جس کی وجہ سے شام میں بے چینی پیدا ہو گئی اور وہ تین سال سے زیادہ عرصہ تک مصر کے تابع نہ رہ سکا۔ موجودہ وفاق کے لیے ایسی یک طرفہ کارروائی کرنے کے بجائے وفاق کا دستور وضع کرنے کے لیے پہلے ایک دستور ساز کمیٹی قائم کی گئی، دستور اور قانون کے ماہرین، اساتذہ و علماء، اربابِ ادب و ثقافت اور صنعت و زراعت سے تعلق رکھنے والے افراد، اور دیگر لوگوں سے مشورے لیے گئے اور ان کی آراء و خیالات معلوم کیے گئے اور طویل اور آزادانہ بحث و مباحثہ کے بعد جو دستوری خاکہ تیار کیا گیا اُسے تینوں ملکوں کے سربراہوں کے سامنے رکھ دیا گیا۔ پھر اس دستور کے لیے باقاعدہ عوامی سند حاصل کرنے کے لیے یکم ستمبر ۱۹۷۱ء کو یک وقت تینوں ملکوں (مصر، لیبیا، اور شام) میں اس پر ریفرنڈم کرایا گیا اور جب وہ ریفرنڈم میں منظور کر لیا گیا تب اُسے نافذ کیا گیا۔

سابقہ وحدت میں صدرِ مصر وحدت کا سربراہ قرار پایا تھا اور شام کے صدر کو نائب صدر اور "وحدت کے اوّل شہری" کا درجہ دیا گیا جسے شامیوں نے ناانصافی سمجھا۔ موجودہ وفاق میں تینوں سربراہوں پر مشتمل صدارتی کونسل قائم کی گئی ہے۔ یہ صدارتی کونسل ہر دو سال کے بعد اپنے تینوں ارکان میں سے ایک رکن کو وفاق کا سربراہ منتخب کرے گی اور صدارتی کونسل اکثریت سے فیصلے صادر کرے گی۔ سابقہ وحدت میں اسلام اور جمہوریت کو فارغ خطی دے دی گئی تھی مگر حالیہ وفاقی دستور میں اسلامی شریعت کو قانون سازی کا بنیادی سرچشمہ قرار دیا گیا ہے اور جمہوری زندگی کو فروغ دینے کے لیے دستور میں بنیادی حقوق کی ضمانت دی گئی ہے۔ بایں ہمہ اس دستور میں خرابی کی کئی صورتیں مضمر نظر آتی ہیں جو آئندہ چل کر سر اُٹھا سکتی ہیں اور وفاقی جمہوریتوں میں متصادم رجحانات کو ہوا دے کر وفاق کی بنیادوں پر اثر انداز ہو سکتی ہیں۔ مثلاً دستور میں تین مختلف فلسفوں کو باہم جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یعنی عرب قومیت، اشتراکیت اور اسلام۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں فلسفے آئندہ چل کر ایک دوسرے سے اُلجھ سکتے ہیں۔ ان میں سے جس فلسفے کو موزوں پُشت پناہی مل گئی وہ غالب آجائے گا اور باقی مغلوب ہو جائیں گے۔ لیبیا، مصر اور شام، تینوں خطوں کی عوامی معاشرت اور تینوں کے ذوق اور رجحانات میں غیر معمولی اختلاف پایا جاتا ہے۔ سابقہ وحدت میں اِس اختلاف کو سمجھنے کے بجائے دبانے کی کوشش کی گئی اور نتیجۃً وحدت کا قصر یکبار گی

دھڑام سے آگرا۔ اگر اب بھی اِس اختلاف کو نظر انداز کر کے قومی زندگی کی تشکیل کی گئی تو فطرت کا فیصلہ ہے کہ نتیجہ برعکس نہیں ہو گا۔ غالباً وفاق کے کارپردازوں کو اِس کا احساس تھا۔ اِسی لیے انہوں نے تینوں ملکوں میں سے ہر ایک کو وفاق کے ایک یونٹ کا درجہ دینے کے بجائے اُسے "جمہوریہ" ہی رکھا ہے اور ہر جمہوریہ کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنا الگ جمہوری دستور بھی بنا سکتی ہے تاکہ اپنی مقامی زندگی کو اپنے ہاں کے حالات اور تقاضوں کے تحت اُستوار کر سکے۔ مگر اس سے بھی مفر نہیں ہے کہ تینوں معاشرے جب آزادانہ میل ملاپ کریں گے تو لازماً ایک معاشرے کا اپنا ذوق و رجحان دوسرے معاشرے کے ذوق و رجحان کے مقابلے میں اپنی انفرادیت اور تشخص کا تحفظ کرے گا۔ اور اس کوشش میں جہاں بھی اُسے چوٹ لگی اُسے ٹکاؤ پیدا ہو گی۔

۱۷ اپریل ۱۹۷۱ء کو تینوں ملکوں کے وفاق کا اعلان کیا گیا تھا۔ ۱۸ اور ۲۰ اگست ۱۹۷۱ء کی تاریخوں میں دمشق میں وفاق کے دستوری خاکہ پر تینوں سربراہوں نے دستخط کیے اور یکم ستمبر ۱۹۷۱ء کو اس پر استصواب عام کرایا گیا، اور اگلے ہی روز اُسے جامۂ نفاذ سے زیب تن کر دیا گیا۔ مصر کے سربراہ جناب انور السادات وفاق کے صدر، اور احمد الخطیب وفاق کے وزیر اعظم اور معمر القذافی وفاقی کابینہ کے صدر مقرر ہو چکے ہیں یہ مناصب تین سربراہوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہیں گے۔ سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ اس وفاق میں مصر کی صنعت، لیبیا کا پٹرول اور شام کی زراعت نہایت اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ مبصرین نے اس وفاق کا سابقہ وحدت سے موازنہ کرتے ہوئے یہ فرق بھی بیان کیا ہے کہ سابقہ وحدت میں شامیوں نے خود بڑھ کر مصریوں کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا تھا اور اس طرح شامی احسانمند اور مصری محسن سمجھے گئے تھے۔ مگر حالیہ وفاق میں خود مصریوں کی طرف سے اتحاد کی خواہش کی گئی ہے۔ علی صبری اور شعراوی جمعہ کا گروہ (جسے انور السادات ٹھکانے لگا چکے ہیں) مصریوں کی اس خواہش کو پورا کرنے کا مخالف تھا، مگر انور السادات صاحب نے مصریوں کی رغبت و آرزو اور حالات کے اشاروں کا اندازہ لگا کر مخالف گروہ کی پروا کیے بغیر وفاق کا راستہ اختیار کر لیا اور انہیں اس سلسلے میں اپنی قوم کی بے پناہ تائید حاصل ہوئی یہاں تک کہ وہ طاقتور مخالف گروہ کو بھی پچھاڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ غالب خیال ہے کہ سوڈان بھی عنقریب اس وفاق میں شامل ہو جائے گا۔

اب وفاقی دستور کو لیجیے۔ یہ دستور ۷۲ دفعات پر مشتمل ہے۔ اس کے تین بڑے بڑے ابواب ہیں

پہلے باب میں بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں۔ دوسرے باب میں وفاق کے اختیارات، اس کے ادارے اور اس کے مالی نظام کی وضاحت کی گئی ہے۔ تیسرا باب عمومی اور متفرق امور پر مشتمل ہے۔ اب ہم ذیل میں اس دستور کی اہم دفعات کو ہو بہو نقل کر دیتے ہیں تاکہ پاکستان کے اہلِ علم کی معلومات میں اضافہ ہو سکے۔

دستور کا پہلا باب جو بنیادی اصولوں پر مشتمل ہے اُس کی ۱۲ دفعات ہیں، یہ اس کا اصل رہنما حصہ ہے:

۱۔ وفاق کا نام اور اس کے اجزائے ترکیبی | عرب جمہوریہ شام اور عرب جمہوریہ لیبیا اور عرب جمہوریہ مصر کی عرب اقوام نے آزاد مرضی اور مساداتِ حقوق کی بنیاد پر ایک وفاقی ریاست قائم کی ہے جس کا نام ہے: "عرب جمہوریتوں کا وفاق" (اتحاد الجمہوریات العربیۃ[1])

۲۔ اقتدار کا سرچشمہ | وفاق میں اقتدار کے مالک عوام ہوں گے اور وفاقی حکومتیں عوام کی جانب سے اپنے اختیارات دستور میں بیان کردہ طریقۂ کار کے مطابق استعمال کریں گی۔

۳۔ ملتِ عربیہ | عرب جمہوریتوں کے وفاق میں رہنے والے عوام ملتِ عربیہ کا ایک حصہ ہوں گے[2]۔

۴۔ وفاق کا طرزِ حکومت | عرب جمہوریتوں کے وفاق میں طرزِ حکومت جمہوری اور اشتراکی ہوگا۔

۵۔ سرکاری زبان | عربی زبان وفاق کی سرکاری زبان ہوگی۔

۶۔ قانون سازی کا ماخذ | وفاقی ریاست روحانی اقدار کی توثیق کرتی ہے اور شریعتِ اسلامی کو قانون سازی کا بنیادی ماخذ قرار دیتی ہے[3]۔

---

[1] سابقہ وحدت میں شام اور مصر کو ایک ہی ملک قرار دے کر اُس کا نام "الجمہوریۃ العربیۃ المتحدۃ" (متحدہ عرب جمہوریہ) رکھا گیا تھا۔ اُسی "قباحت" سے احتراز کرنے کے لیے اب جمہوریتوں کا وفاق بنایا گیا ہے۔

[2] عرب ممالک کی سوشلسٹ تحریکیں اس امر کی قائل نہیں ہیں کہ تمام عرب اقوام عرب ہونے کی حیثیت سے ایک ہی ملت کے اجزاء ہیں بلکہ انہوں نے "انقلابی عرب عوام" اور "رجعت پسند عرب اقوام" کے نام سے عربوں کے دو حصے کر رکھے ہیں۔ زیرِ بحث دفعہ نے اس تفریق کو ختم کر دیا ہے اور تمام عربوں کو ایک ملتِ عربیہ قرار دے کر وفاق کو اس کا ایک حصہ قرار دیا ہے۔ جناب انور السادات نے اپنی ۳۰ اگست ۱۹۷۱ء (ریفرنڈم سے ایک روز پہلے) کی تقریر میں اسی نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم مصر کی عربی حیثیت کی طرف لوٹ آئے ہیں اور ہماری یہ حیثیت سابقہ نظام سے زیادہ مضبوط اور مستحکم ہے (الشباب العربی، قاہرہ، شمارہ ۶ ستمبر ۱۹۷۱ء)

[3] یہ دفعہ اس امر کی

۷- پرچم اور ترانہ | جمہوریتوں کے وفاق کا ایک ہی پرچم ہو گا، ایک ہی امتیازی نشان ہو گا، اور ایک ہی ترانہ ہو گا۔ ان امور کا انتظام کرنے کے لیے ایک وفاقی حکمنامہ جاری کیا جائے گا۔[1]

۸- صدر مقام | وفاق کا ایک ہی صدر مقام ہو گا جو بروئے قانون معین کر دیا جائے گا۔[2]

۹- دوسری عرب جمہوریتوں کے لیے وفاق کی رکنیت کی شرائط | وفاق کی رکنیت کے لیے صدارتی کونسل کے اجماعی فیصلے کے تحت، ہر اُس عرب جمہوریہ کو شرکت کی منظوری دی جائے گی جو عرب اتحاد پر ایمان رکھتی ہوگی، متحد عرب اشتراکی معاشرے کے قیام کے لیے کوشاں ہوگی اور اس دستور میں طے شدہ احکام پر عمل کے لیے رضامند ہوگی۔[3]

۱۰- وفاقی قانون | وفاقی قوانین کے حدود تک وفاق کی جمہوریتوں میں سے ہر جمہوریہ اپنے باشندوں کی شہریت سے متعلق امور ان عمومی اساسات کے دائرے کے اندر سرانجام دیگی جن کے لیے ایک وفاقی قانون کا اجراء عمل میں لایا جائے گا۔

۱۱- وفاقی جمہوریتوں کے مقامی دساتیر کی حدود | وفاق کی جمہوریتوں میں سے ہر جمہوریہ اس امر کی پابند ہوگی کہ اُس کا مقامی دستور وفاقی دستور کے احکام سے متصادم نہ ہو۔[4]

۱۲- شہری آزادیاں اور بنیادی حقوق | وفاقی جمہوریتوں کے دساتیر اور قوانین کم از کم درج ذیل اصولوں

اطلاع ہم پہنچا رہی ہے کہ تینوں ملکوں کے عرب سربراہ سالہا سال کے تجربات کے بعد بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مسلمان عوام کے عقیدہ و روایات کے منافی کوئی نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ خاص طور پر مصر کے سامنے ۱۹ سال کا تجربہ ہے جس میں دیگر متعدد نظریات سے رہنمائی اخذ کرنے کی کوشش کی گئی مگر اسلام کو یہ موقع فراہم نہ کیا گیا۔ اس کے نتیجے میں زندگی کے ہر پہلو میں عدمِ استقرار کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ۱۹ سال سے قبل کا عرصہ بھی اسلامی رہنمائی سے محروم تھا۔ اب تینوں عرب اقوام کا یہ فیصلہ کہ اسلامی شریعت قانون سازی کا ماخذ ہو گی قابلِ مبارک باد ہے۔ اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے والوں کو فیصلے کے نفاذ کی توفیق عطا فرمائے۔

[1] پرچم تیار کر لیا گیا ہے۔ اس پر عقاب کی تصویر بنائی گئی ہے جس نے اپنے دونوں پر کھول رکھے ہیں اور وہ پرواز کے لیے بے تاب ہے۔ پرچم کی منظوری کے لیے جب تینوں سربراہ جمع ہوئے تو انور السادات نے کہا: "عقاب کیا خوب ہے"؟ اس کے جواب میں کرنل معمر القذافی نے برجستہ کہا کہ "یہ شاہینِ قریش ہے"۔ "شاہینِ قریش" اندلس کے چوتھے اموی خلیفہ عبدالرحمٰن الداخل دوم (۸۲۲ء - ۸۵۲ء) کا لقب ہے جس نے اندلس میں ایک طرف جہاد کی تحریک کو غیر معمولی فروغ

اور حقوق کی ضمانت دیں گے :

۱۔ تمام باشندے قانون اور عدالت کے سامنے یکساں ہوں گے اور نسل یا زبان یا مذہب کی وجہ سے ان کے مابین کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا۔

۲۔ سکونت کا احترام ۔

۳۔ کوئی جرم اور کوئی سزا صرف اسی وقت قابلِ اعتبار ہوگی جب قانون اُسے ثابت کر دیگا۔ ملزم

(بقیہ حواشی صفحہ سابق) دیا اور دوسری طرف علوم وفنون کی زبردست حوصلہ افزائی کی ۔

۱؎ سر دست قاہرہ کو وفاق کا صدر مقام قرار دیا گیا ہے ۔

۲؎ عرب سیاسی مبصرین نے اس دفعہ پر متعدد اعتراضات کیے ہیں۔ ماہرینِ قانون و دستور نے اسے تضاد بیانی کا ناخوشگوار نمونہ بیان کیا ہے ۔ ان کے بیان کے بموجب اس دفعہ کی رُو سے اگر کوئی عرب جمہوریہ عرب اتحاد پر تو ایمان رکھتی ہے مگر اشتراکی معاشرے کے قیام کے لیے کوشاں نہیں ہے (مثلاً جمہوریۂ یمن، جمہوریۂ لبنان، جمہوریۂ تونس اور جمہوریۂ موریطانیہ) تو وہ اس وفاق کی رکن نہیں بن سکتی ۔ اسی طرح اگر کوئی عرب جمہوریہ اشتراکی معاشرے کے لیے کوشاں ہے مگر عرب اتحاد کے لیے کوشاں نہیں ہے (مثلاً جمہوریۂ عراق اور جمہوریۂ جنوبی عرب) ، اس کے لیے بھی رکنیت کے دروازے بند ہیں۔ ایسے ہی اگر کوئی ملک جمہوریہ نہیں ہے بلکہ ملکیہ (بادشاہت) ہے اور وہ عرب اتحاد کے لیے پوری پوری تگ و دو کر رہا ہے (مثلاً مملکتِ سعودیہ، مملکتِ مغربیہ مراکش اور مملکتِ ہاشمیہ اُردن) تو اس کے لیے بھی وفاق میں کوئی گنجائش نہیں ہے ۔ اس دفعہ کے تحت صرف الجزائر اور سوڈان کے لیے دروازے کھلے رکھے گئے ہیں۔ ماہرین کی رائے کے مطابق اتحاد کے علمبرداروں نے خود اتحاد کے دروازے بند کر دیئے ہیں ۔ اور دوسروں کو آزمائش میں ڈالنے کے بجائے خود اپنے آپ کو نشانۂ اعتراض بنا لیا ہے ۔

۳؎ جہاں تک مصر کا تعلق ہے اُس نے اپنے نئے دستور میں جسے " دائمی دستور" کہا گیا ہے اور جسے ۱۲ر ستمبر ۱۹۷۱ء کو نافذ کر دیا گیا ہے ، وفاقی دستور کی طے کردہ حدود کی پوری پوری رعایت کی ہے بلکہ جہاں تک بنیادی حقوق کا سوال ہے مصری دستور نے یہاں تک ان کی پاسداری کا اعلان کر دیا ہے کہ سابقہ نظام کے اندر بھی جن لوگوں کے حقوق متاثر ہوئے ہیں انہیں بھی بحال کیا جا سکتا ہے چنانچہ اس فیصلے سے مصر میں ان سرکاری ملازمین نے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے جو سابقہ دور میں سیاسی اور ذاتی انتقام کا نشانہ بن جانے کی وجہ سے برطرف کر دیئے گئے تھے ۔ ان میں عدالتوں کے

بے گناہ سمجھا جائے گا یہاں تک کہ عدالتی فیصلے کے ذریعہ اُس کا مُجرم ہونا ثابت ہو جائے۔[۱]

۴ - حدودِ قانون سے باہر شہریوں کی گرفتاری ناجائز ہو گی۔

۵ - عدلیہ کے سامنے مقدمہ، اپیل اور دفاع کی آزادی۔

۶ - آمد و رفت اور رہائش کے لیے جگہ کے انتخاب کی آزادی۔

۷ - جلاوطنی کی ممانعت۔

۸ - عقیدہ اور مذہبی عبادات کی ادائیگی کی آزادی۔

۹ - سائنسی تحقیقات کی آزادی

۱۰ - اظہار رائے، صحافت اور نشر و اشاعت کی آزادی

جج بھی شامل ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مصر کے ہفت روزہ الشباب العربی (شمارہ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء) کی یہ خبر:

"صدر انور السادات نے ایک آرڈی ننس کے ذریعہ ان ججوں کو بحال کر دیا تھا جو پچھلے سالوں میں اپنے مناصب سے برطرف کر دیئے گئے تھے۔ وزارتِ قانون نے صدر کا یہ آرڈی ننس متعلقہ ججوں تک مبارکبادی کے خط کے ساتھ پہنچا دیا ہے۔ صدر کا یہ آرڈی ننس ۱۵ مئی کے جمہوری انقلاب کی نمایاں ترین علامت بن گیا ہے۔ آرڈی ننس کے صدور سے عدلیہ سے وابستہ ۶۵ افراد کی نئی نامزدگی عمل میں آئے گی۔ ان میں ۵ جج کورٹ آف اپیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۲۷ ہائی کورٹ سے۔ اور ۷ جج پرائمری عدالتوں کے سربراہ ہیں۔ اور ۲۶ سول جج اور پراسیکیوٹر۔ آرڈی ننس کی رُو سے کونسل آف اسٹیٹ کے ۱۴ رکن بھی بحال ہو گئے ہیں۔ ان میں ایک کونسل آف اسٹیٹ کا نائب صدر اور باقی مشیر اور رکن ہیں۔ اسی طرح حکومت کے محکمہ قضایا کے سات افراد بھی بحال ہو گئے ہیں جن میں ۴ مشیر اور ۳ نائب مشیر ہیں۔ عدلیہ کے جن افراد کی بحالی کے احکام صادر نہیں ہوئے ہیں اور ان کی تعداد ۱۶ کے قریب ہے وہ چند ماہ کے بعد ریٹائر ہو جائیں گے اور انہیں پنشن دی جائے گی کیونکہ وہ ۵۷ سال سے متجاوز ہو چکے ہیں۔"

[۱] یہ نہایت بے نظیر دفعہ ہے۔ اسلامی فقہ کی کتابوں میں یہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ اَلْاَصْلُ الْبَرَاءَۃُ۔ اصول یہ ہے کہ ہر شخص بری ہے۔ اُس کے مجرم ہونے کا ثبوت پیش کیا جائے۔ انسان کے اس بنیادی حق کا فیصلہ صدیوں پیشتر فقہائے اسلام نے کر دیا ہے۔ اور نہ ہے وہ ریاست جو اسے اختیار کر لیتی ہے۔

۱۱۔خط و کتابت کی راز داری کا تحفظ۔

۱۲۔اجتماع کی آزادی۔

۱۳۔شہریوں کو اپنے حکمرانوں کے محاسبہ اور تنقید کا حق۔

۱۴۔قانون کی حدود کے اندر شخصی ملکیت کا احترام کیا جائے گا جو اجتماعی ملکیت اور مشترک ملکیت کے اندر معاشرے کے حق سے متصادم نہ ہو۔

۱۵۔کاروبار کا حق۔

۱۶۔تعلیم کا حق۔

۱۷۔معاشرتی ضمانت (سوشل سیکورٹی) اور معاشرتی تحفظات کا حق۔

۱۸۔صحت کی دیکھ بھال کا حق۔

۱۹۔بچہ، ماں اور خاندان کا تحفظ۔

۲۰۔مختلف میدانوں میں تمام باشندوں کے لیے یکساں مواقع کی فراہمی۔

۲۱۔نقل و حرکت اور روزگار کا حق | وفاق کے شہریوں کو وفاق کی جمہوریتوں میں نقل و حرکت اور کاروبار کی ضمانت دی جائے گی اور وفاقی قانون اس کے استعمال کی کیفیت تجویز کرے گا۔

وفاقی دستور کا دوسرا باب وفاق کے دائرۂ اختیار، وفاقی اداروں اور وفاق کے مالیات پر مشتمل ہے اس باب کی کل تین فصلیں ہیں پہلی فصل میں وفاق کے دائرۂ اختیار کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ وفاق امور خارجہ، دفاع، ملکی امن، اقتصاد، تعلیم و تربیت اور ثقافت اور رکن جمہوریتوں کی مقامی قانون سازی میں یکسانیت کے امور میں اپنے اختیارات استعمال کرے گا۔اس فصل کی بعض اہم شقیں یہ ہیں جو دفعہ ۴ کے ذیل میں بیان کی گئی ہیں:

متحدہ خارجہ پالیسی | خارجہ سیاست کے اصول وضع کرنا اور ان پالیسیوں کو یکساں کرنا جو وفاقی جمہوریتیں اپنے بین الاقوامی تعلقات کے سلسلے میں اختیار کریں۔

جنگ اور صلح کے مسائل | ان مسائل میں صدارتی کونسل کے بالاجماع فیصلے صادر ہوا کریں گے۔

متحدہ دفاع اور قیادت | ۱۔عرب جمہوریتوں کے وفاق کے دفاع کا انتظام اور اس کی قیادت۔

۲۔ایک ایسی عسکری قیادت کا قیام جو جنگی تربیت اور جنگی کاروائیوں کی ذمہ دار ہو۔

اقتصادی نظام کی تکمیل | جامع ترقی کے لیے ایسے مشترک منصوبے وضع کرنا جو رکن جمہوریتوں کے اقتصادی نظام کو باہم مکمل کرتے ہوں۔ وفاقی جمہوریتیں اس امر کی پابند ہوں گی کہ وہ اپنے قومی منصوبے وضع کرتے وقت جامع منصوبوں کے نفاذ کے تقاضوں کا لحاظ رکھیں۔

اقتصادی اور مالی پالیسیوں میں یکسانیت | رکن جمہوریتوں کی اقتصادی اور مالی پالیسیوں اور ڈھانچوں کو متحد کرنا اور محاسبہ اور شماریات کی ایسی خدمات مہیا کرنا جو تمام جمہوریتوں کے لیے مفید ہوں۔

غیر ممالک کے ساتھ یکساں اقتصادی پالیسی | دوسرے ممالک کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں رکن جمہوریتوں کی اقتصادی پالیسی کو متحد کرنا اور بین الاقوامی اقتصادی اور مالی اداروں کے ساتھ تعاون میں یکسانیت پیدا کرنا۔

پہلی فصل کی پانچویں شق تعلیم و تربیت اور ثقافت کے امور پر مشتمل ہے۔ یہ شق تین ذیلی شقوں پر مشتمل ہے:۔

الف: ایسی تعلیمی، تربیتی اور ثقافتی پالیسی وضع کرنا جس کا ہدف قوم پرست اور عرب اور اشتراکی اور مؤمن نسل کی تعمیر ہو[1]

ب۔ سائنسی تحقیقات کے لیے ایسی متحد پالیسی وضع کرنا جو موجودہ سائنسی ترقی سے ہمکنار کرنے کی کفیل ہو۔

---

[1] یہ وہی دفعہ ہے جس میں تین بلکہ چار مختلف فلسفے سموئے گئے ہیں۔ اس دفعہ میں بیان کردہ چاروں مقاصد کو وفاقی نظام اگر فطری حد کے اندر رکھنے میں کامیاب ہو جائے تو بے شک وہ ایک خاص طرز کی نسل تیار کر سکتا ہے لیکن اگر چار مختلف ذہنوں کو نمائندگی دینے کے لیے یہ مرکب تیار کیا گیا ہے تو آئندہ چل کر اس کی شکل یہ بن سکتی ہے کہ وہ ذہن جو قوم پرست ہے یہ کوشش کرے گا کہ مصر میں قدمائے مصر فراعنۂ مصر سے رشتہ استوار کرے اور قوم پرستی کے اخلاص کا ثبوت دے، شام میں اشوری اور لیبیا میں بربر تہذیبوں کو اجاگر کرے۔ عرب ذہن عربیت کو زندہ کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے گا اور وہی اودھم مچائے گا جو عرب قوم پرستی کی تحریک پچھلے پچاس برس سے مچا رہی ہے۔ اشتراکی ذہن اپنی منزل طے کرنے کے لیے اشتراکیت کو سائنٹفک سوشلزم اور پھر کمیونزم اور اس کے فکری اور اخلاقی تقاضوں کو غالب کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور مؤمن ذہن توحید اور رسالت کو ہدایت کا سرچشمہ قرار دیگا اور سلف صالحین اور مجاہدین فی سبیل اللہ کے رنگ ڈھنگ کی نسل تیار کرنے پر زور دے گا۔ اور یہ چاروں کام ایک ہی تعلیمی اور ثقافتی نظام سے لیے جائیں گے۔ اب آپ خود ہی اندازہ لگالیں کہ وہ تعلیمی نظام کس شان کا ہوگا۔

ج۔ وفاق کی ابلاغ عامہ کی پالیسی کا دائرہ طے کرنا جو وفاق کے مقاصد کی خدمت کرے۔

اسی باب کی دوسری فصل میں وفاقی انتظامیہ کی تفصیلات اور اختیارات بیان کیے گئے ہیں۔ اس مختصر سے مضمون میں ان تفصیلات کا بیان ممکن نہیں ہے۔ البتہ اِس فصل کا تیسرا جزو وفاقی عدلیہ سے متعلق قابلِ مطالعہ ہے۔ یہ جزو سات دفعات پر مشتمل ہے۔ اِن میں سے پہلی پانچ دفعات (جو دستور کی ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰ ویں دفعات ہیں) یہ ہیں:

<u>وفاقی عدلیہ اور اس کے اختیارات</u> دفعہ ۴۶ وفاق کی صدارتی کونسل ایک دستوری عدالت کی تشکیل کرے گی جس میں ہر جمہوریہ کی طرف سے دو رُکن لیے جائیں گے۔ کونسل عدالت کا سربراہ خود ہی مقرر کریگی۔ کسی اختلافی مسئلہ میں ارکانِ عدالت کی آراء دو برابر حصوں میں بٹ جانے کی صورت میں عدالت کے سربراہ کی رائے فیصلہ کُن اور ترجیحی ہو گی۔ وفاق کی صدارتی کونسل کو یہ بھی اختیارات ہیں کہ وہ مصلحت عامہ کے تقاضے کے تحت عدالت کے ارکان میں اور بھی اضافہ کر سکتی ہے۔ مگر شرط یہ ہو گی کہ عدالت میں مختلف جمہوریتوں کی نمائندگی مساوی رہے۔ عدالت کی رکنیت کی مدت چار سال ہو گی جسے بڑھایا جا سکتا ہے۔

دفعہ ۴۷۔ ارکانِ عدالت یہ حلف اٹھائیں گے: "میں خدائے بزرگ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ میں دستور اور قانون کا احترام کروں گا اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کروں گا"۔

دفعہ ۴۸: وفاق کی دستوری عدالت کے یہ امتیازی اختیارات ہوں گے:

الف۔ وفاقی قوانین کی دستوری حیثیت کے بارے میں اعتراض کی صحت و عدم صحت کا فیصلہ کرنا۔

ب۔ یہ فیصلہ کرنا کہ وفاقی جمہوریتوں کے قوانین وفاق کے دستور اور قانون سے کس حد تک مطابقت رکھتے ہیں۔

ج۔ ان قانونی تنازعات کے بارے میں فیصلہ کرنا جو وفاقی حکومت اور جمہوریتوں کی حکومتوں کے درمیان پیدا ہوں یا ایک رکن جمہوریہ اور دوسری رُکن جمہوریہ کے درمیان برپا ہوں۔

د۔ وفاقی حکومت کی انتظامی کارروائیوں کے خلاف اعتراضات کا فیصلہ کرنا۔

ھ۔ ہر اُس دستوری یا قانونی مسئلہ میں رائے کا اظہار کرنا جس کے بارے میں وفاق کی صدارتی کونسل یا وفاقی وزراء یا کسی رکن جمہوریہ کی طرف سے مشورہ طلب کیا گیا ہو۔

دفعہ ۴۹: دستوری عدالت کے فیصلے اکثریت سے جاری ہونگے اور عوام کے نام سے صادر ہوں گے۔

دفعہ ۵۰: وفاق میں شامل ہونے والی تمام جمہوریتوں کی سرزمین میں دستوری عدالت کے فیصلے واجب التعمیل ہوں گے۔

دستور کے تیسرے باب میں متفرق امور بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں دفعہ ۴۶ نہایت اہم ہے۔ بلکہ اس دفعہ کو وفاق کے نظریے کی اصل روح سمجھنا چاہیے۔ اِس وفاق کے قیام میں مثبت محرکات کے علاوہ جن سلبی عوامل کا دخل ہے وہ اِس دفعہ میں سمٹ کر آگئے ہیں[۱]۔ دفعہ یہ ہے:

"رکن جمہوریتوں میں سے کسی بھی جمہوریہ کے اندر اندرونی طور پر یا بیرونی طور پر اگر کوئی گڑبڑ برپا ہوگی جو اُس کے امن یا وفاق کے امن کے لیے خطرہ بن رہی ہو گی تو یہ جمہوریہ فوراً وفاقی حکومت کو آگاہ کرے گی تاکہ وفاقی حکومت امن کے قیام اور نظم و نسق کے تحفظ کے لیے اپنے اختیارات کے اندر رہتے ہوئے لازمی اقدامات کرے۔ اور اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں جو رکن جمہوریہ کی حکومت کو وفاق سے مدد مانگنے کی اجازت نہ دے رہے ہوں یا وفاق کے امن کو خطرہ لاحق ہو رہا ہو تو وفاق کے متعلقہ با اختیارات اداروں کو حق ہوگا کہ وہ امداد طلب کیے بغیر دخل دیں اور نظم و نسق کی حفاظت کریں اور حالات کو اعتدال پہ لائیں۔"

اس دفعہ کا مضمون اِس قدر واضح اور صریح ہے کہ اس کے مدعا کو سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ وحدتِ مصر و شام میں جب شامی فوج کے ایک حصے نے زیاد حریری کی قیادت میں بغاوت کر دی تو مصر اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے فوج کشی نہ کرسکا اور یہ کہہ کر بغاوت کو قبول کر لیا کہ ہم اپنے بھائیوں کا خون نہیں بہا سکتے۔ مگر اب دفعہ بالا کی رُو سے اِس امر کا انتظام کر دیا گیا ہے کہ کسی بھی جمہوریہ میں اگر "بغاوت" برپا ہو جائے تو دوسری جمہوریتیں بر بنائے طلب اور بلا طلب دونوں صورتوں میں فوج کشی کر کے اُسے فرو کر دیں گی اور کچھ عرصہ کے لیے وفاق کو باقی رکھنے میں کامیاب ہو جائیں گی۔

---

[۱] عرب اخبارات نے اس دفعہ کا عنوان دیا ہے "امداد باہمی اور تحفظِ باہمی کی دفعہ"

مطبوعات

حفاظتِ حدیث | مؤلفہ پروفیسر خالد علوی۔ ناشر مکتبہ العلمیہ ۱۵۔ لیک روڈ لاہور۔ صفحات ۲۵۶۔ قیمت ۸ روپے ۵۰ پیسے۔ طباعت ٹائپ عمدہ۔

ہمارے ملک میں منکرینِ سُنّت اور ان کے معاونین، ذخیرۂ احادیث کو غیر محفوظ اور ناقابلِ اعتماد قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگارہے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اسلامی قانون کے دوسرے بڑے ماخذ (سُنّت) کی بنیاد متزلزل کرکے قرآن کی دلپسند تاویلات کے لیے راستہ ہموار کیا جاسکے۔

ان حضرات کی مذموم مساعی کی تردید میں بہت سے اصحابِ علم کی قابلِ قدر کاوشیں سامنے آچکی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب بھی ایسی ہی ایک کاوش ہے جس میں جناب خالد علوی نے — جو نوعمر ہونے کے باوجود صاحبِ تحقیق مؤلف ہیں — بڑے سلیقے سے اُن کوششوں کا جائزہ لیا ہے جو ہمارے اسلاف نے حفاظتِ حدیث کے سلسلہ میں انجام دیں۔ کتاب پانچ حصوں میں منقسم ہے جن کے عنوانات یہ ہیں: مقامِ حدیث، عہدِ نبویؐ، عہدِ صحابہؓ، عہدِ تابعینؒ اور عہدِ تدوین۔ پہلے حصے میں حدیث کی اہمیت اور حجیت کو مضبوط دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں کتابت و روایتِ حدیث کا جو کام عہدِ نبویؐ میں ہوا، اس کا ذکر ہے۔ تیسرے حصے میں خلفائے راشدین کی اُن مساعی جمیلہ کا بیان ہے جو حفظ و اشاعتِ حدیث کے باب میں بروئے عمل لائی گئیں۔ نیز کلامِ الٰہی کو ہر قسم کی آمیزش سے محفوظ رکھنے کے لیے شیخینؓ کی اُن احتیاطی تدابیر کا بھی جائزہ لیا گیا ہے جن سے من مانے نتائج اخذ کرکے منکرینِ حدیث، سُنّت کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مزید برآں مکثرین صحابہؓ کے مختصر حالاتِ زندگی اور ان کی مرویات کی تفصیل بھی اس حصے میں موجود ہے۔ عہدِ تابعینؒ کے عنوان کے تحت، تابعین کا تعلیم و تعلّمِ حدیث کے لیے مختلف دیار و امصار میں پھیل جانا، اکابر تابعینؒ کے مختصر سوانحِ حیات اور ان کی مرویات کے بارے میں مفید معلومات اور خاص طور پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تدوینِ حدیث کے

باب میں کوشش کا سیر حاصل بیان ملتا ہے۔ آخری حصہ جسے عہد تدوین کا نام دیا گیا ہے۔ اس میں احادیث کے بالکل ابتدائی مجموعوں، موطات اور مسانید کی تفصیل درج ہے۔ کتبِ حدیث کی اقسام اور ان کے مختلف طبقات کا ذکر ہے۔ نیز مؤطا امام مالکؒ اور صحاح ستہ کے عظیم مؤلفین کے حالاتِ زندگی، ان کے مجموعہ ہائے احادیث کی امتیازی خصوصیات اور ان کی متعدد قابلِ ذکر شروح کی تفصیل دی گئی ہے۔

کتاب میں فاضل مؤلف نے مختلف مقامات پر منکرین حدیث کے پھیلائے ہوئے کانٹوں کو بڑی خوبی سے صاف کیا ہے۔ اندازِ بیان نہایت شستہ اور متین ہے۔ کوئی بات دلیل کے بغیر نہیں کہی گئی۔ اور ہر صفحہ مستند کتابوں کے حوالوں سے مزین ہے۔ ہم فتنۂ انکارِ حدیث سے متاثر ہر فرد سے خصوصاً اور دوسرے تعلیم یافتہ حضرات سے عموماً "حفاظتِ حدیث" کے مطالعہ کی درخواست کرتے ہیں۔ اور اس کی اشاعت پر محترم مؤلف اور ناشر کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔

دینی تعلیمات | از امتیاز احمد سعید ایم۔ اے شائع کردہ مجید بک ڈپو اردو بازار لاہور صفحات ۲۲۴۔ قیمت ۳/۲۵ روپے۔ طباعت کتابت گوارا۔

زیرِ نظر کتاب، لائق مصنف نے انٹرمیڈیٹ کے طلباء کی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے تالیف کی ہے۔ اور اس میں دینی تعلیمات کا مناسب ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ کفر و ایمان کی وضاحت، اسلام کے ارکانِ خمسہ کی تشریح اور اخلاق و آداب اور حقوق و فرائض کا بیان بالاختصار شاملِ کتاب ہے۔ نیز تیسویں پارے کا ربع آخر بھی ترجمہ و تفسیر سمیت درج کر دیا گیا ہے۔

ہماری نظر میں یہ کتاب، اسلامیات کے طلبہ کے لیے کافی افادیت کی حامل ہے۔ انہیں اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

قرآن مجید

- وہ عظیم المرتبت کتاب جو ملتِ اسلامی کے وجود کی محافظ ہے اور جس کا محافظ خود خدا ہے۔
- نوخیز نسل کے روشن مستقبل کی ضمانت قرآن کی تلاوت، تدبّر اور تعلیم میں ہے۔

— اسلامی تاریخ کے ہر دور میں — ملتِ اسلامی کی ہر نسل نے — مشرق و مغرب کی ہر مسلمان قوم نے قرآن کے ہر ہر لفظ کو سینوں میں اور صحیفوں میں محفوظ رکھا۔

قرآن کے علوم و افکار کی اشاعت کے ساتھ اس کے ظاہری جمال حسن قرات اور صحتِ ادا میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں — **مگر دورِ حاضر میں:**

پاکستان کے محققِ جلیل جناب **مولانا ظفر اقبال** کی تیس سالہ عرق ریزی اور تحقیق کے بعد پیکیجز لمیٹڈ کی طرف سے شائع ہونے والا **تجویدی قرآن مجید** — نہ صرف

ہندو پاک کے اندر — بلکہ —

از انڈونیشیا تا مغربِ اقصیٰ — اور — از ترکیہ تا بجنوب افریقہ

اپنی مثال نہیں رکھتا۔ اس میں وہ تمام خوبیاں جمع ہوگئی ہیں جو عربی ممالک کے مصاحف اور مشرقِ بعید و مشرقِ اوسط کے مصاحف میں پائی جاتی ہیں

نیز — آغاز میں ایک طویل مقدمہ ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے جس میں اعضائے صوت، دانتوں کے نام، مخارج، حروف ہجا، علاماتِ ضبط، رسم الخط قرآنی اور رموزِ اوقاف کو نہایت سہل زبان میں بیان کر دیا گیا ہے۔

- اور آخر میں فہارس دیئے گئے ہیں جن میں قرآن مجید کے منازل، اجزاء، سورتوں کی موجودہ ترتیب، سورتوں کی نزولی ترتیب، ہجائی ترتیب اور عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں رموزِ اوقاف بیان کیے گئے ہیں۔
- فاضل محقق نے املا کے جدید ضابطے وضع کیے ہیں جن کی بدولت علم التجوید قرآن کے املا میں سمٹ کر آگیا ہے۔ اور عام ناظر خود بخود علم التجوید سے آگاہ ہوتا جاتا ہے۔

آرٹ پیپر، اعلیٰ دو رنگی طباعت، جلی حروف، مع پلاسٹک کور اور خوشنما ڈبے میں بند

ھدیہ صرف **۳۲** روپے — ڈاک خرچ بذمہ ادارہ

قرآن مجید حاصل کرنے کے لیے ادارۂ ترجمان القرآن اچھرہ، لاہور کو آرڈر دیجیے